188763

TEXT FLY

UNIVERSAL LIBRARY

OU_188763

UNIVERSAL LIBRARY

استاد الاساتذہ شیخ مصحفی امروہوی کی مفصل

سوانح عمری

اور انکے چھ دیوانوں کا بہترین عطر انتخاب مع مثنویات

موسوم بہ

صحیفۂ مصحفی

مؤلفہ

مولانا میر افق موسوی امروہوی

جسمیں مصحفی کے خود نوشت تذکرہ اور متعدد معتبر تذکروں کے حوالوں سے
آب حیات کی غلط روایات کی مدلل تردید کرتے ہوئے واقعات کی ایسی واضح اور
صحیح تصویر کھینچی گئی ہے جس سے تمام غلط فہمیاں دور ہو کر مصحفی کے حالات آئینہ ہو جاتے ہیں

حسب فرمائش

قومی لٹریچر پبلشنگ سوسائٹی کانپور

مطبع شاہی کانپور میں چھپا

تعداد طبع بار اول ....۱۰۰۰........ قیمت

(صرف ٹائیٹل)

U1628.

۹۲۸٫۹۱۴۳
مصحفی ا

928.9143
Mushafi Al

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

میں نے ۱۳۳۲ھ میں مصحفی کی شرح لاببت اور انکے کلام کا انتخاب بنام صحیفۂ مصحفی مرتب کیا تھا لیکن اسکی اشاعت ابتک معرض التوا میں رہی ۱۳۴۱ھ میں مصحفی کی مثنوی بحر المحبت مولوی عبد الماجد صاحب بی اے نے باضافہ مقدمہ و تبصرہ شایع کی مقدمہ کو دیکھکر بہت افسوس ہوا کہ ایسے فلاسفر اور ذی علم شخص بھی عام کی تقلید سے مغالطے میں مبتلا ہو گئے بعدہٗ رسالہ معارف اعظم گڈھ میں مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے تذکرۂ مصحفی قلمی پر ایک تبصرہ اور مفید اقتباسات جن سے مصحفی کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے شایع کیے مولانا حسرت موہانی کا تذکرۃ الشعرا پہلے ہی میری نظر سے گذر چکا تھا غرض کافی مواد مہیا ہو جانے پر میں نے صحیفۂ مصحفی کو از سر نو ترتیب دیا ہے اس تالیف میں اپنی طرف سے بہت ہی کم برائے نام اضافہ کیا ہے تمام حالات و کلام گلشن ہند گلشن بیخار۔ نالۂ عندلیب۔ آب حیات۔ اردوے معلی مولانا حسرت موہانی۔ رسالہ معارف وغیرہ سے لیکر اس مجموعہ کو مرتب کیا گیا ہے کلام صاف و شستہ اور قریب قریب موجودہ روزمرہ کے مطابق انتخاب کیا ہے ساتھ ہی ایک مختصر دیوان کی صورت پیدا کر دی ہے امید کہ ناظرین میری اس ناچیز تالیف کو انصاف اور قدر کی نگاہ سے دیکھینگے اور کسی نادانستہ غلطی و لغزش کو معاف فرمائینگے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔

(سید حبیب احمد افق موہدی — مقام امروہہ ضلع مراد آباد ۱۳۴۲ھ

مصحفی کے حالاتِ زندگی

شیخ غلام ہمدانی خلف شیخ ولی محمد اشرافِ امروہہ سے تھے۔ محلہ کالی پگڑی میں مکان تھا میاں مانی کے شاگرد تھے۔ نہایت تیز طبع۔ ذکی۔ فہیم عاقل ذو حافظہ اور خوشرو جوان تھے۔ آبا و اجداد حکومت وقت کے اعلیٰ مناصب پر سرفراز تھے اور خوشحالی سے بسر کرتے تھے۔ زوال سلطنت کے ساتھ انکی خانگی سلطنت کا بھی شیرازہ منتشر ہو گیا اور اور بزرگوں کی فارغ البالی اُن کے حصہ میں نہ آئی اپنے تذکرہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

"دو بزرگانش ابًا عن جدٍ نوکری خانہ بادشاہ کردہ اند از آنجا کہ تفرقہ شدید بدے در راہ یافتہ دو سلطنت ایں رو سیاہ ہم بہ خاک سیاہ برابر شدہ۔ ہمہ از تمتع دنیا بہرہ وافی داشتند ایں فقیر چوں بخت وطالع آنہا نداشت۔"

تاہم ان کے والد آخر عمر تک امروہہ کے ایک موضع اکبرپور کے جزئی حصہ کے قابض و مالک تھے اور غالباً بحالت قیام اکبرپور ہی مصحفی پیدا ہوئے۔ ابھی یہ نو عمر ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ بچپن سے پڑھنے لکھنے کے شوقین نیک طینت اور ہونہار تھے اس لیے اپنی والدہ کی زندگی تک حفظ کلام مجید کے بعد ابتدائی علوم فارسی امروہہ کے اساتذہ فارسی سے حاصل کئے کسیقدر عربی بھی پڑھی۔ اس اثنا میں انکی والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اُن کے اعزہ نے انکے ساتھ کسی خاص ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ کچھ ان اسباب سے اور کچھ شوق علم کی بدولت آغاز جوانی میں ترک

وطن کرکے دہلی کو ہجرت کر گئے جو کہ اس زمانہ میں علوم کا گڑھ تھا چونکہ طبیعت
خداداد علمی مناسبت اور موزونیت تھی زمانہ طالب علمی ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا
چنانچہ ایک موقع پر خود لکھتے ہیں "فقیر ہمراہ استاد خود روزے در عالم مکتب نشینی
وابتدائے شوق موزونی بصحبت ایشاں (سید محمد زماں) رسیدہ" اور یہیں انھوں
نے فارسی۔عربی کی خاصی استعداد حاصل کرنے کے ساتھ شعر گوئی کی قابلیت
بھی پیدا کر لی تھی۔دہلی جا کر تمام علوم رسمیہ فارسی اور بقدر ضرورت عربی میں بھی
پوری پوری مہارت حاصل کی" اور درجہ کمال کو پہونچکر اپنے عہد کے مشہور ممتاز
شاعر ہوئے چنانچہ اپنے خود نوشت تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں "

"وازآغاز شباب بہ مقتضائے موزونی مصروف تحصیل علم بود چنانچہ بفیض صحبت
بزرگاں اول از تکمیل علم و نظم و نثر زبان فارسی و تحقیق محاورہ و اصطلاحات آں فراغت
کردہ بمقتضائے رواج زمانہ آخر کار خود را مصروف ریختہ گوئی داشتہ "

وہ ایک مرد صالح حافظ قرآن مجید اور تلاوت قرآن کریم کے عاشق تھے۔اور اسی وجہ سے
مصحفی تخلص اختیار کیا تھا، چنانچہ قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکرہ میں تصریح کی ہے،
کہ "جوان صالح حافظ قرآن شوق تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید در دلش زیادہ از حد
بود ہمیں سبب مصحفی تخلص میکرد جوان سعادتمند مجنون و مسکین "

ابتدا سے ادب و انکسار اور تواضع کی پابندی طبیعت میں تھی اسکے ساتھ ہی نہایت
خوش اخلاق اور خوش مزاج تھے اسی حسن اخلاق کی بدولت بزرگان دہلی کی

صحبتوں میں عزت اور رسوخ حاصل تھا۔ وطن اور عزیزوں سے بیزاری اور دہلی کی پرلطف صحبتوں نے اُنکے دل میں دہلی کی محبت اسطرح بھر دی تھی کہ پھر امروہہ کا نام نہ لیا اور دہلی کو وطن بنا لیا بعض بزرگوں کی زبانی اور قرائن سے معلوم ہوا کہ محلہ چوڑی گراں یا ترکمان دروازہ میں انھوں نے اپنا ذاتی مکان بنا کر مستقل قیام کے ساتھ کسی شریف گھرانے میں شادی کر لی تھی ایک جگہ کہتے ہیں

؎ دلّی کہیں ہیں جسکو زمانہ میں مصحفیؔ میں رہنے والا ہوں اُسی اُجڑے دیار کا

یہ تحقیق نہو سکا کہ اس بیوی سے کوئی اولاد ہوئی یا نہیں۔ بہرحال اب یہ مستقل طور پر دہلی میں رہنے لگے۔ زمانہ قیام دہلی میں انھوں نے ایک دیوان بھی تیار کر لیا تھا جو چوری گیا۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں ؎ اے مصحفیؔ شاعر نہیں پورب میں ہوا میں ٭ دلّی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا۔

ذریعۂ معاش

"فراغت علم کے بعد انھوں نے دہلی میں تجارتی سلسلہ شروع کیا اور یہی اُنکا ذریعہ معاش تھا جسکی بدولت وہ آرام و آسائش" اور معاصرین میں عزت و وقعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں

الحال در شاہجہان آباد بہ پیشہ تجارت بسر می برد۔

قیام مشاعرہ

سلسلۂ تجارت کے ساتھ ہی شاعری کا شوق اسدرجہ غالب ہو گیا تھا کہ بڑے شوق و اہتمام کیساتھ ایک مشاعرہ کیا کرتے تھے جسمیں مشہور شعراء اور معززین شہر شریک ہوتے تھے

اور بعض لوگوں نے اُن کے ساتھ سلسلۂ تلمیذ بھی قایم کیا تھا چنانچہ ایک معاصر اپنے تذکرہ میں
اسد کے حال میں لکھتے ہیں "وہ اکثر در مشاعرہ فقیر بہ شاہ جہاں آباد می رسد" اور امین الدین
خاں امین کے تذکرہ میں تحریر کیا ہے "در شاہجہاں آباد ہمسایہ فقیر بود و شریک صحبت
مشاعرہ" مست کے متعلق یہ عبارت ہے "مؤلف دراں روز با غزلے کہ طرح کردہ بود
مصرعش را در مقطع تضمین کردہ آوردہ است و آں ایں است" مشاعرے میں
چل اے مست مصحفی جو کہے یہ کبھی ملا تو کرو بارے مہرباں ہو کر" اکبر کے حال میں لکھتے
ہیں "دراں ایام کہ فقیر در شاہجہاں آباد طرح مشاعرہ انداختہ اول برائے اصلاح شعر
رجوع بفقیر آوردہ بعد چند روز بخدمت شاہ حاتم رفتہ استفادۂ کلی از ذات
با برکات ایشاں بردا شتہ" آلان کے متعلق فرماتے ہیں "اول کہ در شاہجہاں آباد
بحلقۂ شاگردی فقیر در آمدہ ایں است میر حسن صاحب در تذکرۂ خود شاگرد شاہ حاتم
نوشتہ اند محض غلط" مرزا قتیل جرأت وغیرہ سے بھی انکی گہری دوستی تھی اور
یہ لوگ اُنکے شریک صحبت اور حاضر و غائب یکساں خیر خواہ تھے۔ غرضکہ عرصہ تک
انھیں دلچسپیوں کیساتھ دہلی میں مقیم رہے۔ آخر انقلاب زمانہ سے دہلی کی یہ حالت
ہوئی کہ خود وہاں کے گھرانے گھربار چھوڑ کر اطراف و جوانب میں منتشر ہونے لگے
انکا سلسلہ تجارت بھی درہم برہم ہو گیا اور معاش کیطرف سے سخت پریشان رہے مگر
طبعی استغنا اور صحبت احباب کی برہم زدگی کیوجہ سے گوشۂ عزلت میں بیٹھکر بارہ برس
تک بقیہ سرمایہ اور پس انداز سے گذر اوقات کرتے رہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

دوازدہ سال درشاہجہاں آباد بگوشۂ عزلت خزیدہ وبسر گزیرا سے تلاش معاش
دراں حشر اجساد اموات بر در کس نرفتہ ،،

آخر کب تک برداشت کرتے، اپنے دار الہجرت (دہلی) کو خیر آباد کہنا ہی پڑا چنانچہ
دلی سے نکلکر ٹانڈے میں آئے اور شیخ قیام الدین قائم چاندپوری کی وساطت
سے نواب محمد یار خان والی ٹانڈہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ اگرچہ نواب صاحب کے
اصلی استاد قائم تھے، تاہم مصحفی اور قائم کے تعلقات اسقدر عمدہ ہوگئے تھے کہ
نواب موصوف کی غزلیں بھی مصحفی دیکھتے تھے، چنانچہ قائم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں
"دوران ایام باعث قصیدہ خواندن و نوکر شدن مؤلف، در سرکار نواب موصوف
ایں برنگ شدہ بود۔ در عرصہ قلیل بسبب سلیم مزاجی و نام شاعری رابطہ شدید بہم
رسانیدہ کاغذہا مسودہ اشعار نواب را کہ برائے اصلاح پیش می آمد تدارک کم دماغی بدت
مشورہ فقیری داد چنانچہ ہفت ماہ عیں طور یکجا گذرانیدہ ایم دشام وچاشت یک عمر
ہمدمی گفتہ، واللہ کہ باد آں صحبت گذشتہ داغ ناکامی بردل آرزو مندی گذارد"،
لیکن جب نواب محمد یار خاں زمانہ کا شکار ہوئے تو سودا و میر کی تقلید میں یہ بھی لکھنؤ
چلے گئے انکے چاہنے والوں دوستوں نے انکی بہت خاطر و مدارات کی متفرق طور پر
احباب کے ہاں مقیم رہے، چنانچہ لالہ کانجی لال ہرجا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"فقیر دریافتہ کہ وارد ایں شہر شد چندے حسب اتفاق بر مکان ایشاں اقامت داشتہ
عرض اہل لکھنؤ کے رنگ ڈھنگ اور انکی قدردانی کا اندازہ کرکے ایک برس وہاں رہ کر

دوبارہ دلی واپس آگئے چنانچہ نواب محمد یار خاں کے تذکرہ میں فرماتے ہیں "

" دران ایام بے تمیزی ہر یک از تلامذہ شعراے مجلس جدا جدا برائے درپیش گرفتند فقیر دراں حادثہ جانگزا بہ لکھنؤ رسیدہ بود، بعد انقضائے مدت یکسال بشاہجہاں آباد رفتہ رخت اقامت دران دیار بیوتشاں انداخت "

چونکہ لکھنؤ کے یک سالہ قیام سے اُن کو وہاں کی قدر دانیوں دلچسپیوں کا کافی اندازہ ہو چکا تھا اور دہلی اب فی الواقع اُجڑا دیار ہو چکی تھی اب انھوں نے دہلی کو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ ہمیشہ کیلئے الوداع کہا " اور دوبارہ لکھنؤ چلے گئے انکے دوبارہ لکھنؤ آنیکا زمانہ سنہ ۱۲۱۰ھ ہے جیسا کہ تذکرۂ گلشن ہند کی عبارت سے ظاہر ہے "بالفعل سنہ ۱۲۱۵ھ میں (مصحفی) ایک چودہ برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے " لکھنؤ میں بہت سے لوگ اُنکے مشتاق ہو چکے تھے اور اُنکے کمال کی کسیقدر شہرت بھی ہو چکی تھی وہ یہاں آکر گمنام نہیں رہے بلکہ لوگوں نے مختلف طریقوں سے اُنکی قدر افزائی میں کافی حصہ لیا چنانچہ انھوں نے جا بجا اِن قدر دانیوں کا حال لکھا ہے مثلاً مرزا رضا قلی آشفتہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

" دراَیامے کہ فقیر از شاہجہاں آباد بہ لکھنؤ آمد، اول طرح مشاعرہ او انداخت "

پروانہ عرف کاکاجی کے حال میں فرماتے ہیں۔

در روزہاے کہ مولف از شاہجہاں آباد بہ لکھنؤ رسیدہ چوں غائبانہ ہمیشہ اشتیاق ملاقات می داشت، خبر آمدن ایں خاکسار شنیدہ بہ بیتابانہ بہ گرمی دل و تپاک پیش آمدہ از ہماں ایام عطف عنان فکر شعر فارسی بطرف ریختہ کردہ خود را شب و روز در گفتن شعر

ہندی مصروف داشت،، تسلی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ "دو بسر گوپال رائے بخشی برادر خورد بھولا ناتھ بود کہ خدمت دیوانی کچہری بخشی گیری فوج نواب وزیر بکلی تعلق بایشاں دارد،، و اکثرے از مثنوی ہا و دواوین اساتذہ جمع ساختہ انتخاب زدہ نویسانیدہ چنانچہ فقیر ہم دیوان فارسی و دیوان ہندی خود و تذکرہ فارسی حسب الارشاد نوشتہ واو۔ دیوان اول فقیر را در ایام مکتب نشینی کہ فقیر در آنروزہا وارد ایں شہر بود از کمال اشتیاق آدم فرستادہ طلبیدہ بدست خود در عرصہ قلیل نقل گرفتہ دوبارہ غزل ہندی کہ گفتہ مشاطگی آن را موقوف برائے فقیر داشتہ ما فقیر ہم درہا جملہ مرہون حسن سلوک ایں بلند اقبال است،،

اِن قدردانیوں کے ساتھ ملازمت کے سلسلے بھی قائم ہوئے مثلاً اختر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،، "فقیر دراں ایام ملازم میر محمد نعیم خاں بود،،

نواب سالار جنگ مرحوم کے صاحبزادوں میں ایک صاحب سرتیز تخلص کرتے تھے شیخ مصحفی نے چار سال تک اُنکے ہاں نہایت عزت کے ساتھ ملازمت کی چنانچہ لکھتے ہیں "فقیر تا مدت چہار سال بصیغہ شاعری ملازم و رفیق ایشاں ماند بسیار بعزت و بحرمت می داشتند،، غرض اسطرح کچھ عرصہ تک مختلف نوابوں رئیسوں کی قدردانیوں سے اُنکو لکھنؤ میں کافی شہرت و عزت حاصل ہو گئی تھی۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی سرکار میں بھی اُنکا شہرہ سخن پہنچ چکا تھا۔ ادھر سید انشا کو سلیمان شکوہ کے دربار میں کافی رسوخ حاصل تھا چونکہ اسوقت تک شیخ مصحفی اور سید انشا کے تعلقات خوشگوار تھے

کہ سید انشا شیخ مصحفی کو قابل عزت واحترام اور بزرگ سمجھنے کے ساتھ یہ چاہتے تھے کہ
کہ دربار سلیمان شکوہ میں میری طرح شیخ مصحفی جیسے قابل قدر اور باکمال شخص کی
عزت افزائی ہو چنانچہ موقع پاکر سید انشا نے شیخ مصحفی کو نہ صرف درباری مجلس مشاعرہ
تک ہی پہنچایا۔ بلکہ نہایت عزت وحرمت اور قدر ومنزلت کے ساتھ شاہی ملازموں میں
داخل اور مقربان خاص میں شامل کراکر حق رفاقت ادا کر دیا۔ اور دراصل مصحفی کی زیست برد
شہرت اور زندگی کا حقیقی دور یہیں سے شروع ہوتا ہے جسکی کیفیت اُنھوں نے
خود اپنے تذکرہ میں تفصیل کے ساتھ لکھی ہے۔

"در ایامے کہ حکم بہ ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود اکثرے از کاردانان این فن در حضور آمدہ
حاضر می شدند، این فقیر حقیر بموجب نسبت دیگران با وصف گوشہ نشینی کار زیادہ رسائی
داشت بگفتۂ میر انشاء اللہ خان حسب الطلب حضور با وصف کم شغلی شکستہ حالی
شریک مجلس یاران شدہ بود، چنانچہ از ہمان تاریخ در حلقۂ ملازمان حضور درآمد و بعد
چندے از کلام فقیر محظوظ شدہ در جائزۂ قصیدۂ مدحیہ مشتمل بر تہنیت عید بانعام،
احقر را از حضیض خاک باوج افلاک رسانید،،

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے مشاعرے میں
میر انشاء اللہ خان کی تحریک و تقریب سے شرکت کی تھی اور اسی دن سے وہ ملازم ہو گئے
تھے۔ لیکن درحقیقت اُن کی ملازمت کا زمانہ قصیدۂ عیدیہ کے پیش کرنے کے بعد سے
شروع ہوا جسکی تقریب نواب بارگاہ قلی خان کے بڑے صاحبزادے قسمت نے کی تھی

چنانچہ مصحفی خود قسمت کے تذکرہ مین لکھتے ہین۔
"در زمانے کہ ایشان مع والد بزرگوار خود بحضور مرزا جہاندار شاہ مختاری امور کلی داشتند بقرب ملازمت این خاکسار بے مقدار بجناب مرشد زادہ آفاق، زبان سعی ایشان شدہ بود،، وعدہ بروز عید داشتند چون بسبب کثرت ازدحام صغیر وکبیر موقع خواندن قصیدہ ندید برائے پاس خاطر من۔ قطعہ مختصر تہنیت عید کہ در آستین داشتم، آن را گرفتہ وصفا مرا وغیرہ شگفتہ،، بدست شاہزادہ دادند و مرا رو برو کردند،،"
بہر حال وہ درباری شاعرون مین ملازم ہوگئے قصیدۂ عید کا انعام بھی حاصل کیا اور رفتہ رفتہ اسقدر رسوخ اور شہرت ومقبولیت حاصل کی کہ زمانہ بھر کے محسود ٹھہرے۔
ہزارون معرکہ آرا غزلین کہین قصیدے لکھے جنمین بعض مرزا سلیمان شکوہ کی مدح مین بھی ہین جیسا کہ ایک قصیدہ کا شعر ہے ؎
"تخت طاؤس پہ جسدم ہو سلیمان کا جلوس ۔ مورچھل ہاتھین مین بال ہما کا لیلون"
مولوی محمد حسین آزاد نے مصحفی کی لائف یہین سے شروع کی ہے اور انکی زندگی کے تمام ابتدائی واقعات چھوڑ دئے ہین۔ لیکن اس سلسلے مین بھی جو کچھ لکھا ہے اسکو محض زبانی روایتون اور اپنے غلط قیاسات کی بنا پر لکھا ہے چنانچہ ابتدا ہی سے غلطی ہوتی ہے آب حیات مین لکھتے ہین کہ اول مرزا سلیمان شکوہ کی غزل مصحفی بنایا کرتے تھے لیکن جب سید انشا پہونچے تو ولیعہد کی غزل ان کے پاس آنے لگی اور ساتھ ہی مصحفی کی تنخواہ مین تخفیف ہوگئی (آیندہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی کی تنخواہ پچیس روپے تھی

جو تخفیف ہوتے ہوتے صرف پانچ روپیہ رہ گئی تھی) لیکن قدرت اللہ قدرت اور میر حسن کے تذکرے اور خود مصحفی کا خود نوشت تذکرہ ان واقعات کا شمہ بھر بھی ظاہر نہین کرتا۔ شیخ مصحفی اتنے سادہ دل اور سچے ہین کہ انھون نے اپنے ناقابل بیان حالات بھی نہایت صفائی سے لکھدئے ہین اگر یہ واقعات پیش آتے تو وہ خود ضرور لکھتے اُن کے علاوہ قدرت اللہ اور میر حسن کبھی نظرانداز نہ کرتے مصحفی کی مذکورہ بالا عبارت سے اشارۃً بھی یہ ثابت نہین ہوتا کہ مصحفی و انشا، مین سے کوئی شخص مرزا سلیمان شکوہ کا اُستاد تھا۔ ایک موقعہ پر مصحفی کی عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہی کہ مرزا سلیمان شکوہ اور سید انشا مین نہایت گہرے تعلقات تھے مگر یہ تعلقات بھی برادرانہ تھے اُستادانہ نہ تھے ،، سید انشا رہی کی تحریک سے تو مصحفی مرزا سلیمان شکوہ کی بزم مشاعرہ مین شریک ہوئے جیسا کہ اُنکا قول ہم اُوپر بیان کرچکے ہین۔ کہ

،، بگفتہ میر انشاء اللہ خان حسب الطلب حضور با وصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ ازہمان تاریخ در حلقۂ ملازمان حضور در آمدہ ،،

،، پس یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ ،، اول مرزا سلیمان شکوہ کی غزل کو مصحفی بنایا کرتے تھے جب سید انشا پہنچے تو ولیعہد کی غزل ان کے پاس آنے لگی ،،

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر آزاد مرحوم نے سید انشا کے حالات مین غیر مستند سنی سنائی روایات کو جذبہ حب الوطنی کی بنا پر زیادہ اہمیت دیدی اور مرزا سلیمان شکوہ کے اس شعر سے دل ابو عشق کے دریا مین ڈالا بد توکلت علی اللہ تعالےٰ۔

محض قیاسی استدلال کیا ہے کہ سید انشا ایسی تضمینون کے بادشاہ تھے۔ لیکن مذکورہ بالا تذکرون کی خاموشی کی حالت مین یہ قیاسی استدلال بالکل غیر تشفی بخش بادر ہوا ہے۔ مصحفی نے اپنی ملازمتون کے ذکر مین تنخواہ کی کوئی تعداد نہین بتائی نہ قدرت وحسن ونالۂ عندلیب۔ وگلشن ہند۔ وگلشن بیخار۔ وغیرہ نے کہین اسکی صراحت کی ہے پھر آزاد نے کہان سے معلوم کر لیا کہ مصحفی کی تنخواہ پچیس تھی اگر پچیس کی تعداد کو مان بھی لیا جائے تاہم اسکو کسیطرح تسلیم نہین جا سکتا کہ مرزا سلیمان شکوہ نے اسکو گھٹا کر پانچ روپیہ کر دیے مصحفی جیسے غیور اور مستغنی المزاج شخص کی بے غیرتی کے علاوہ اسمین خود مرزا سلیمان شکوہ کی کسقدر توہین ہوتی ہے پروفیسر آزاد نے آبحیات مین مصحفی کی طرف منسوب شدہ جو یہ اشعار نقل کیے ہین کہ ؎

چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق ÷ تھا مرد معمر کہین دس بیس کے لائق

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہین ایغز ÷ ہم بھی تھے کبھی روزینہ دس بیس کے لائق

استاد کا کرتے ہین امیر اب کے مقرر ÷ ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

چارہ کے لگانے سے ہوا دو کا اضافہ ÷ پھر وہ نہ چلے جی ہین کہ ہو تیس کے لائق

اغلب گمان یہ ہے کہ یہ اشعار یار لوگون کی طرف سے مصنوعی اور الحاقی ہین۔

غرض تمام قدیم تذکرون کی تصریحات اور خود مصحفی کی بے لوث تحریر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ نہایت اعزاز واکرام سے آخر عمر تک درباری شاعرون مین ملازم رہے۔ البتہ خود ان کی تحریر اور مختلف اشعار سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انکی آمدنی قلیل اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے کے لائق نہ تھی۔ اور یہ کوئی انھین کی خصوصیت نہین

اکثر اہل کمال اور نامی شعراء کا اُس زمانہ مین یہی حال تھا میر تقی میر نے کس مصیبت اور شکستہ حالی سے زندگی کے دن کاٹے ؟ گلشن ہند کی یہ عبارت اسپر شاہد عادل اور بخوبی دال ہے کہ ضیق معاش تو وہان دلکھنؤمین، مدت سے نصیب اہل کمال ہے،

مصحفی اور انشا،

پروفیسر آزاد مرحوم نے آب حیات میں مصحفی وانشا کی معرکہ آرائیون کو بڑی دلچسپی اور اہمیت سے بیان کیا ہے اور محض جذبۂ ہموطنی کی بناپر سید انشا کی جانبداری اور مصحفی کی مخالفت مین سنی سنائی غیر مستند روایات اور فرضی وقیاسی استدلالات کو اس پیرایہ مین لکھا ہے جس سے سمجھدار اور ذی علم طبقہ نے بھی مغالطہ مین پڑکر اُن واقعات کو صحیح سمجھ لیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حتی الامکان اُنھون نے غریب مصحفی کی تذلیل اور توہین اور سید انشا کی فوقیت جتانے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا جہان کہین انھون نے واقعات سے مجبور ہوکر مصحفی کی تعریف مین قلم اُٹھایا ہے وہان بھی آخر مین کوئی نہ کوئی فقرہ ایسا لکھ جاتے ہین جس سے وہ تعریف ہجو ملیح کی شکل اختیار کرلیتی ہے اگرچہ آزاد مرحوم نے میر انشا اور اُستاد ذوق کے سوا کسی شاعر کی منصفانہ تعریف نہیں کی اور ہر ایک کی خوبیون کے مقابلہ مین عیوب زیادہ دکھائے ہین لیکن غریب مصحفی کے ساتھ جن ستم ظریفیون اور غیر منصفانہ غلط بیانیون سے کام لیا ہے وہ حد درجہ افسوسناک ہے نواب مصطفےٰ خان شیفتہ، کے گلشن بیخار کا ایک فقرہ " سید انشا " کے متعلق آزاد کے

دل مین کانٹے کیطرح چبھا تھا، کیا شیفتہ کا بدلا آب حیات مین غریب مصحفی سے لیا گیا ہے؟
اگر اس بنا پر آزاد کے آب حیات کو جام زہر" قرار دون تو بیجا نہوگا،، سب سے زیادہ تعجب
اور افسوس مجھے مولوی عبدالماجد صاحب بی اے اور خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی
پر ہے کہ باوجود اس علم اور روشن خیالی کے مقدم الذکر بزرگ نے مصحفی کی مثنوی
بحر المحبت کے مقدمہ مین آب حیات کے بیان کی لفظ بہ لفظ تائید کی ہے اور مؤخرالذکر
حضرت نے بھی اپنے تذکرہ آب بقا مین انھین غیر مستند سنی ہوئی روایات کو نقل کردیا ہے،،
خدا جزائے خیر دے مؤلف نالۂ عندلیب، اور مولانا حسرت موہانی و مولوی عبدالسلام
ندوی کو جنھون نے مصحفی کے متعلق محققانہ فیصلے کیے ہین،، اب مصحفی اور انشا کی
معرکہ آرائیون پر محققانہ نظر ڈالکر حتی الامکان صحیح واقعات کی کڑیان ملائی جاتی ہین۔
تذکرۂ مصحفی، کے سابقہ بیانات سے یہ تو بخوبی ظاہر ہوچکا ہے کہ شروع مین مصحفی اور انشا
کے تعلقات نہایت شگفتہ اور دوستانہ تھے سید انشا کی کوشش بھی مصحفی کے دربار شاہی
مین معزز ہونے کا ایک ذریعہ تھی، تاہم یہ نہین کہا جاسکتا کہ ان مین کسی قسم کا اختلاف
اور معرکہ آرائی نہین ہوئی، ع چون نباشد چیزکے گویند مردم چیزہا،، معرکہ آرائیان
ضرور ہوئیں مگر نہ اس حد تک جیسا کہ آب حیات اور عوام نے ان واقعات کو شہرت دی ہے
اب صحیح واقعات ہم سے سنیے اصل یہ ہے کہ مصحفی نہایت نیک طینت مہذب و متین اور
سیدھے سادے بزرگ منش اور باوقار آدمی تھے، مرزا سلیمان شکوہ اور امرا اور رؤسا
اُنکے کمال اور سادگی کیوجہ سے اُنکی عزت و وقعت کرتے تھے وہ مجلس مشاعرہ مین اپنی

پابندی متانت اور وضع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، وہ اس فن مین محویت وفنائیت
کے درجہ تک پہنچ جانے کی وجہ سے آخر عمر تک اس شغل کو نباہتے رہے مگر زمانہ کے
انقلابات پیہم صدمات اور ابنائے زمانہ کے عبرت انگیز حالات دیکھکر انکا دل نہایت متاثر
اور افسردہ ہوگیا تھا اُن کے کلام مین شوخی وظرافت کالعدم تھی، اور سید انشا مصاحبت
کی رنگ رلیوں اور جوانی کی امنگون اور عیش پرستیون میں محو تھے، وہ ہر شخص کو اپنے رنگ
مین دیکھنا چاہتے تھے، انھین ہر وقت ظرافت اور شوخ مزاجی کی دلچسپیون کے لیے
کوئی نہ کوئی چھیڑ درکار تھی - وہ مصحفی کے کلام مین بھی سوقیانہ تمسخر ظریفانہ چٹکیان
ڈھونڈھتے تھے۔ لیکن مصحفی جیسے برگزیدہ صفات شخص کی متانت وسنجیدگی ان باتون کو
کب گوارا کرسکتی تھی، اور درحقیقت یہ مصحفی کی انتہائی شرافت اور متانت وسنجیدگی کی دلیل ہے
کہ دربار شاہی کا رنگ اُن پر نہ چڑھ سکا اور اُنھون نے اپنے کلام کو مذاق سلیم سے نہ گرنے دیا
مگر سید انشا کی منچلی طبیعت کب ماننے والی تھی اُنھون نے مصحفی سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کی
چنانچہ اشارون کنایوں میں اسطرح چھیڑ چھاڑ ہونے لگی کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے
بقول آب حیات ایک دن شیخ مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے جلسہ مین ایک غزل پڑھی
جسکا مطلع ومقطع یہ ہے ؎

زُہرہ کی جو آئی کف ہاروت مین اُنگلی ؛ کی رشک نے جا دیدۂ ماروت مین اُنگلی
تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس مرگ + تھی اُس کی دھری چشم پہ تابوت مین انگلی

جب مصحفی جلسہ سے چلے گئے تو سید انشا اور انکے ہمرنگ یارون نے ان مضحکہ انگیز

ردیف و قوافی پر آپس مین خوب تمسخر کیا اور اس غزل کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر انتہائی فحش کے سانچے مین ڈھالا جسکو کوئی مہذب اور حیا دار شخص بیان نہین کر سکتا مقطع کی اسطرح گت بنائی ،، تھا مصحفی کا تاکہ چھپانے کو پس از مرگ ؎ رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت مین انگلی اس غزل کی خبر مصحفی کو بھی ہوئی انھین سے فساد کی بنیاد قایم ہوئی، اگرچہ یہ سب حضرت انشا ہی کی شرارت تھی مگر چونکہ مصحفی سے انکا یارانہ تھا اور اسوقت تک کوئی مخالفت نہ تھی اسکے علاوہ انشا صاحب عالم کے خاص مصاحبون مین تھے انھین خیال ہوا کہ شیخ مصحفی میری طرف سے بدگمان نہو جائین چنانچہ فوراً شیخ مصحفی کے پاس پہنچکر کہا کہ جلسے مین اسطرح گفتگو ہوئی ہے بھئی تمھیں میری طرف سے کچھ ملال نہو، سید انشا کا اُسوقت جانا اور یہ معذرت کرنا بمصداق چور کی ڈاڑھی مین تنکا، مصحفی کے لیے سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا، شیخ مصحفی نے ایک بے پروائی کے ساتھ کہا کہ نہین بھئی مجھے ایسی باتون کا خیال بھی نہین اور اگر تم بھی کہتے تو کیا تھا،، اخیر کا فقرہ سید انشا کو کھٹکا، واپس آکر یارون کو اور بھی چمکا دیا اور اب مشاعروں میں باہمی چوٹیں چلنے لگیں یہانتک کہ وہ مسخ کردہ فحش غزل اکثر طرفداران انشا نے ادھر اُدھر مشہور کردی۔ اسپر شیخ مصحفی ضبط نہ کر سکے اور ،، بالفاظ آب حیات ،، وہ پُرانا مشاق لکھنؤ بھر کا اُستاد کچھ چھوٹا آدمی نہ تھا باوجود بڑھاپے کے بگڑ کھڑا ہوا اور یہ غزل فخریہ کہی ،، (آزاد لکھتے ہین) اب خواہ اسے بڑھاپے کی سستی کہو خواہ طبیعت کا امروہہ پن کہو خواہ آئین متانت کی پابندی سمجھو غرض اپنی وضع کو ہاتھ سے نہ دیا اور اپنے انداز مین خوب کہا،

(غزل فخریہ)

مدت سے ہو نہیں سر خوش صہبائے شاعری / ناداں ہے جسکو مجھسے ہے دعوائے شاعری
مین لکھنو مین زمزمہ سنجان شعر کو / برسوں دکھا چکا ہوں تماشائے شاعری
پھبتا نہیں ہے بزم امیران دہر میں / شاعر کو میرے سامنے غوغائے شاعری
اک طرفہ خر سے کام پڑا ہی مجھے، کہ ہائے / سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
ہے شاعروں کی اب کے زمانے میں یہ معاش / پھرتے ہیں بیچتے ہوئے کالائے شاعری
لیتا نہیں جو مول کوئی مفت بھی اُسے / خفت کے اُٹھا کے آتے ہیں گھر وائے شاعری
ق
اے مصحفی ز گوشۂ خلوت برون خرام / خالی است از برائے تو خود جائے شاعری
ہر سفلہ را زبان و بیان تو کے رسد / آرے توئی فغانی و بابائے شاعری
مجنوں منم چرا دگرے رنج می برد / در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

بڑھاپے کی سُستی اور طبیعت کا امروہہ پن، یہ فقرے پروفیسر آزاد کے تعصب اور مصحفی کی توہین پر دلالت کرتے ہین، اور اسمیں نہ صرف مصحفی پر چوٹ ہے بلکہ تمام اہل امروہہ پر حملہ کیا گیا ہے، اور آزاد کی یہ روش آب حیات میں باستثنائے چند تمام شعرا خصوصًا مصحفی کے ساتھ شروع سے آخر تک قایم رہی ہے۔ لیکن انکی نظر میں مصحفی کا بڑھاپا اور امروہیت کھٹکتی ہے تو اس سے مصحفی کے کمال پر کوئی برا اثر نہین پڑ سکتا ناظرین اندازہ کرلینگے کہ آئین متانت اور وضع کی پابندی کے ساتھ مصحفی نے اس مختصر سی غزل میں کن جذبات و واقعات اور اشارات کا اظہار کیا ہے، اور سلیم العقل سلیم الطبع شخص پر اسکا کیسا اثر پڑ سکتا ہے، اس غزل میں ”وہ پھرتے ہین بیچتے ہوئے کالائے شاعری“، اور لوگوں کے مفت بھی قبول نہ کرنے پر

خفت اُٹھانے ،، کے معنی خیز فقرے ناظرین اچھی طرح یاد رکھیں ، یہ فقرے انکشاف ہیں مخالفین مصحفی کی اُس حقیقت پنہان کا جسکی بنا پر اندھادھند پروفیسر آزاد نے مصحفی پر غزل فروشی کا الزام لگاکر پبلک میں اسکو ٹینک کرنا چاہا ہے لیکن حقیقت شناس نگاہیں مصحفی جیسے اولوالعزم شخص کی غیور اور مردانہ طبیعت کا گذشتہ حالات سے صحیح اندازہ کرنے کے بعد ہرگز ان بیہودہ لغو اتہامات کو ذرا بھی وقعت نہیں دیسکتیں ،، غرض سید انشا مرحوم کی ظریف اور منچلی طبیعت نے ظرافت و خوش طبعی سے گذر کر ابتدائی خیالات کے خلاف مخالفت کا رنگ اختیار کرلیا۔

اسکا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ شیخ مصحفی رح ایک مشاعرہ میں ایک اور غزل کافور کی گردن عور کی گردن ،، پڑھتے ہیں اور سید انشا کیطرف سے اُسپر اعتراضات ہوتے ہیں (یہ اعتراضات قریب قریب سب غلط ہیں) شیخ مصحفی اُن اعتراضات کے جوابات اور اپنی طرف سے سید انشا کی غزل پر لائق تسلیم اعتراضات قائم کرکے طرحی زمین میں یہ قطعہ جوابیہ تحریر فرماتے ہیں -

قطعہ در جوابات اعتراضات سید انشا

اے اسکہ معارض ہو مری تیغ زبان سے — تو نے سپر عذر میں مستور کی گردن
ہے آدم خاکی کا بنا خاک سے پتلا — گر تور کا سر ہوئے تو ہو نور کی گردن
میں لفظ سقنقور مجسّد نہیں دیکھا — ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن
گردن کہ صراحی کیلئے وضع ہی نادان — بیجا ہے خُم بادۂ انگور کی گردن
اس سے بھی ہیں گذرا غلطی اور یہ سُنیئے — باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن

کافور تو میت کا اسے سمجھے باین عقل — اور آپ جو پھر باندھے تو مغفور کی گردن
یہ لفظ مشدد ہی درست آیا ہے، تجھسے — خم ہوتی ہے کوئی مرے بلور کی گردن
اتنی نہ تمیز آئی تجھے، ربط بھی کچھ ہے — ہر قافیہ میں تو نے جو منظور کی گردن
یوں سیکڑوں گردن تو گیا باندھ بواہی — سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن
جو گردنیں ہیں باندھی ہیں لا مجھکو دکھادو — تو مجھکو دکھائے شبِ دیجور کی گردن
گردن کے تئیں چاہیے اک شکل کشیدہ — خم کرکے سمجھ ٹک سرِ مغرور کی گردن
مضمون وہ میرا ہی ہے گو اور طرح سے — باندھے تو گماں اپنے میں رنجور کی گردن
گر قافیہ پیمائی ہی منظور تھی تجھکو — تو باندھی نہ کسواسطے مقدور کی گردن
لاکھوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس — سوجھی نہ تجھے دستۂ ساطور کی گردن
منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز — یہ بوجھ اٹھا سکتی نہیں مور کی گردن
منظور ہے گر ریش زنی تجھکو تو باللہ — باندھے نہ اگر خانۂ زنبور کی گردن
ٹوٹے ہوئے نیچے کیطرح میرے قلم سے — جاتی ہے پچک شاعرِ مغرور کی گردن
انصاف تو کر خود ہی کہ اک تیغ میں کیسی — مین کاٹ کے دعوے کی تری دور کی گردن
کٹھڑاگ یہ گایا پہ ترے ہاتھ نہ آئی — افسوس کہ اِن تان پہ تنبور کی گردن
سوجھا نہ تجھے ورنہ بتاتا تو اُسیدم — ناسور کی بتی کو بھی ناسور کی گردن
انصاف کیا اسکا مین اب شہ کے حوالے — جھکتی ہے جہان مار کی اور مور کی گردن
وہ شاہ سلیماں کہ اگر تیغ عدالت — ٹک کھینچے تو دو ہو وہیں فغفور کی گردن

جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دستِ نوازش	اُس سر کا بنے تکیۂ سرِ حور کی گردن
اس در کا جو سجدہ انھیں منظور نہ ہوتا	ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خاموش یہ سخن طول نہ کھینچ جاے
یاں کوتہ ہی بہتر سرِ پرشور کی گردن

حسب رائے آزاد اس قطعہ کے پڑھنے سے ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسّی برس کا بوڑھا مگر باکمال مصحفی اداے مطلب پر کسقدر قدرت رکھتا ہے اور طرحی زمین میں مطالب مطلوبہ کو ادا کرنا اسکی مشاقی و قادر الکلامی میں چار چاند لگا کر آسمان فتح و کامیابی پر پہنچا دیتا ہے (والفضل ماشھدت بہ الاعداء) غرض دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور بقول پروفیسر آزاد خوب ہوئی طرفین سے ہجویں لکھی گئیں سوانگ نکالے گئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مصحفی کے تلامذہ میں سے منتظر اور گرم تمام اُستاد بھائیوں طرفداروں کو لیکر مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اُنھوں نے زبان سے تدبیروں سے معرکوں سے استاد کی اُستادی کے مورچے باندھ دیے۔ ایک مثنوی لکھکر، گرم طمانچہ نام رکھا، شیخ منتظر نے سرِ مشاعرہ سید انشا پر زبردست چوٹیں کیں، اسیطرح بلکہ اس سے بڑھکر سید انشا کی طرف سے جواب دیے گئے مولانا آزاد نے اس سے کو اور بڑھا کر بیان کیا ہے کہ مصحفی کے بعض اشعار پر سلیمان شکوہ کو شبہہ ہوا کہ ہم پر چوٹیں ہیں اور وہ بھی آخر میں سید انشا کے شریک کار اور طرفدار ہو گئے اور شیخ مصحفی کے فریق کا سوانگ کوتوال سے لکر رکوا دیا۔ مصحفی نے خود اپنے تذکرہ مین تو اس واقعہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا لیکن شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی معذرت میں

جو قطعہ اُنھوں نے لکھا ہے اُس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سوانگ کے بانی تھے " اور ان ذلیل حرکتوں میں مرزا سلیماں شکوہ کی شرکت بھی آزادہی کی مستانہ آزادروی ثابت کر رہی ہے اور کوئی شہادت تو اسکی تائید کرتی نہیں - ہاں منتظر نے انشا کی جو ہجو لکھی ہے اُس سے اتنا ضرور ثبوت ملتا ہے کہ اکثر امرا اور رُوسا انشا کے حامی اور طرفدار تھے چنانچہ ایک بند ہے

مت خوف سلاطین سے تو مجھکو ڈرا بے ۔ وہ تو ہی ہے جسکو کوئی ڈانٹے کوئی دابے
دہشت کی تو میرے تئیں باتیں نہ سنا بے ۔ کی ہجو اگر میں نے تو کیا قہر کیا بے
نے دین مرا اس سے نہ دنیا گئی لٹ بھڑوے

غزلوں میں جو باہم ردو قدح ہوئی ہے اس کا ذکر بھی اس تذکرہ میں نہیں ہے تاہم منتظر کے اشعار سے اس کی تائید ہو سکتی ہے ؎

پڑھ منتظر اس بحر و قوافی میں غزل وہ ۔ دکھلائے جو ماہیِ سقنقور کی گردن
ہو سکتی ہے ماہیِ سقنقور کی گردن ۔ لیکن نہیں ثابت شبِ دیجور کی گردن
لنگور کا وہ قافیہ ایسا تھا کہ جیسے ۔ باندھے دم لنگور میں لنگور کی گردن
حاسد وہ ترش گو ہے کہ کچھ اس سے نہیں دور ۔ باندھے وہ اگر شعر میں انگور کی گردن
کسطرح سے خم دیوے کوئی منتظر اسکو ۔ پتھر سے بنی ہووے جو تنبور کی گردن

مصحفی کی یہ شرافت ہے کہ انھوں نے ان ناگوار واقعات کا ذکر اپنے تذکرہ میں نہیں کیا البتہ منتظر کے حالات میں جو مدحیہ فقرے ہیں اُنمیں صرف اسقدر لکھا ہے کہ " اگرچہ

بعض اشخاص معنوی ذہانت طبعش را دیدہ بسیار خواستند کہ او را بطریقے بجلد تبعیت خویش کنند ہرگز التفات بگفتن ایشاں نہ کرد تا آنکہ برگشت و از راسخ الاعتقادی خویش بمقام والائے شاعری رسیدہ حالا برائے کلہ شکنی آنہا برابر موجود است ،،

بہر حال یہ جھگڑے قصے ضرور ہوئے سید انشا کی طبعی شرارت نے یہ دن دکھایا کہ ہجو نگاری سے اردو شاعری کا دامن آلودہ ہوگیا - اور شیخ مصحفی سے ان کی حاضر جوابی دلیری اور مقابلہ میں مغلوب نہ ہونے کی وجہ سے اکثر امراو روسا اور مرزا سلیماں شکوہ بدظن ہو گئے - انجام کار مصحفی لکھنؤ کی سکونت سے بیزار ہوکر چلے جانے پر تیار ہوے جیسا کہ ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے -

کچھ اسکے سوا اب مری تدبیر نہیں یاں | جاتا ہوں ترے در سے کہ توقیر نہیں یاں
سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں | اے مصحفی بے لطف ہے اس شہر کا رہنا

لیکن ان کے جانے کی نوبت نہیں آئی اور سنجیدہ مزاج لوگوں نے جانبین کے معاملات کا فیصلہ کر دیا ادھر مصحفی نے شہزادہ سلیماں شکوہ کی خدمت میں بھی ایک قطعہ معذرت پیش کرکے ان کو راضی کر لیا ،، مگر ناظرین غور کریں کہ معذرت بھی کتنی دلیری - بیباکی اور صفائی سے کیجاتی ہے - مخالف ، مصاحبین اور خود شاہزادہ صاحب کی اخلاقی کمزوری کو وہ کس جرأت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں ، وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ اگر صلح کی ٹھہری تو خیر ورنہ میں اور میرا فریق کسی سے دب کر رہنے والے نہیں - ملاحظہ ہو -

قطعہ در معذرت اتہام انشا بحضور شاہزادہ مرزا سلیماں شکوہ

قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر — کہ مجھسے حضرت شہ میں نہیں ہوئی تقصیر
سوائے اسکے کہ حال اپنا کچھ کیا تھا عرض — سو وہ بطور شکایت تھی اندکے تقریر
جو اس سے خاطر اقدس پہ کچھ ملال آیا — اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
عوض روپوں کے ملیں مجھکو گالیاں لاکھوں — عوض دو شالے کے خلعت بشکل نقش حصیر
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز کب ایسا — جو ہے تو شاہ سلیمان شکوہ عرش سریر
مزاج میں یہ صفائی کہ کر لیا باور — کسی کے حق میں کسی نے جو کچھ بھی کی تقریر
مصاحب ایسے اگر کچھ کسی سے لغزش ہو — تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر
وگر کریں تو پھر ایسی کہ نار طیش و غضب — مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں نور آفتاب کہاں — کہاں وہ سطوت شاہی کہاں غرور فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہیئے — کہاں دبیقی و دیبا کہاں پلاس و حریر
میں اک فقیر غریب الوطن مسافر نام — رہے ہے آٹھ پہر جسکو قوت کی تدبیر
مراد من ہے کہ مدح حضور اقدس کو — الٹ کے پھیر بحرف ذمیمہ دوں تغییر
یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشاء کا — کہ بزم و رزم میں ہو پایۂ تخت کا وہ مشیر
مزاج شاہ جو یوں منحرف ہو تو مجھکو — یہ چاہیئے کہ کروں شکوہ اسکا پیش وزیر
اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی — تو جاؤں پیش محمدؐ کہ ہے بشیر و نذیر
شفیع روز جزا بادشاہ او داد سنے — نکردہ جرم پہ جسنے نہیں لکھی تعذیر
کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش پر گنہاں — تری غلامی میں [illegible] آیا ہے داد خواہ فقیر

خطا جو میری ہو پہلے تو کر اسیر مجھے
وگر عدو کی پہنا اسکو طوق اور زنجیر

اگرچہ بازی انشائے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھکر میں بازی تقدیر

وے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چھاپے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

سو میں تلک نہیں ایسا بشر ہوں، تا بکجا
کہے سے اُسکے کرونگا نہ ماجرا تحریر

کیا یہ فرض کہ میں آپ اس سے در گذرا
پھریگا مجھسے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور اُن پہ بھی جو کیا میں نے تازیانۂ منع
تو ہوسکے ہے کوئی اُنکی و منع کی تدبیر

ہزار شہدوں میں بیٹھیں ہزار جا پہ ملیں
پھریں ہمیشہ لیے ساتھ اپنے جمع کثیر

نہ مانیں تیغ سیاست نہ قہر سلطانی
نہ سمجھیں قتل کی دھمکی نہ ضربت شمشیر

مزاج اُنکا ٹھٹھول اسقدر پڑا ہے کہ وہ
ہنسی سمجھتے ہیں اس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اُسپہ یہ بھی ہے یعنی کہ ایسے موقع پر
جو ہوئے منشی تو کچھ نثر میں کرے تحریر

تکلیف جنکو خدا نے کیا ہو موزوں طبع
و اپنے فضل سے بخشی ہو شعر میں توقیر

یہ کوئی بات ہے ستو اُن کے وہ خموش رہیں
ہوا ہے مصلحتہً گو کہ تصفیہ یہ اخیر

یہ بات مان لی میں نے کہ سوانگ کا بانی
اگر میں ہوں تو مجھے دیجیے بد ترین تعزیر

میں آپ فاقہ کش اتنا کہاں مجھے مقدور
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آہش شعیر

مرے حواس پریشان ہاں میں پریشانی
ہو جیسے لشکر شکستہ کی خراب بھیر

جو اسپہ صلح کی ٹھیری رہے تو صلح سہی
اگر ہو پھر بھی شرارت بشر ہوں میں بھی تمر

جواب ایک کے یاں دس ہیں اور دس کے تنوا
نگاہ کرتے تھے اول ہاں فسلیل کشیر

حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیہ ... گیا ہوا زپے تہدید شاعران شریر
کو کوتوال ہی بس اُن سے اب سمجھ لیگا ... یہ ورسیدم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جسطرح سارے شہر کے بیچ ... بلند قامتی اپنی سے متہم ہو لعیر
سو متہم مجھے ناداں سنے ہجو شہر سے کہا ... قباحت اس کی جو سمجھے نہ اسکو ہے تقدیر
وے مزاج مقدس جو لاابالی ہے ... نہیں دماغ میں آتا خیال عرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا مصحفی بس اب چپ رہ ... زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر

خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے جو چاہا کیا بحکم قدیر

سید انشا چلتے پھرتے دلّی میں آئے تھے اور جو لوگ ان معرکوں میں انکے رفیق تھے انہیں سے اکثروں نے دلّی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی اسکے علاوہ ان کو عروضی ہونے کے دعوے تھے چنانچہ ایک موقع پر شیخ مصحفی نے اسیطرف اشارہ کرکے یہ قطعہ کہا جو ساتویں دیوان میں ہے

قطعہ

بعضوں کا گمان یہ ہے کہ ہم اہل زبان ہیں ... دلّی نہیں دیکھی ہے زبان دان یہ کہاں ہیں
پھر اس پہ ستم اور یہ دیکھو کہ عروضی ... کہتے ہیں سدا آپ کو اوستاد زمان ہیں

U1628

سیفی کے رسالہ پہ بنا اسکی ہے ساری / سوا اسکے بھی گھر بیٹھے وہ خود ہی نگراں ہیں
اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ / کرتے ہیں گھمنڈ اسپہ کہ ہم قافیہ داں ہیں
نو حرف جو وہ قافیہ کے لکھتے ہیں اسمیں / دانا جو انھیں سنتے ہیں کہتے ہیں کہ ہاں ہیں
تعقید سے واقف نہ تنافر سے ہیں آگاہ / نو حرف بھی قافیے کے وردِ زباں ہیں
کرتے ہیں کبھی ذکر وہ ایطائے خفی کا / ایطائے جلی سے کبھی پھر حرف زناں ہیں
اول تو ہے کیا شعر میں ان باتوں سے حاصل / بالفرض جو کچھ ہو بھی تو وہ سب پہ عیاں ہیں
حاصل ہے زمانہ میں جنھیں نظم طبیعی / نظم اُن کی کے اشعار پہ از آب رواں ہیں
پرواہ انھیں کب ہے ردیف اور روی کی / اک قافیہ کی قید میں آتش نفشاں ہیں
مجھکو تو عروض آتی ہے نے قافیہ چنداں / اک شعر سے گرویدہ مرے پیر و جواں ہیں

غرض اسیطرح سے اُنھوں نے لکھنؤ جیسے شہر میں رہکر شاعری میں کوس لمن الملک بجایا کبھی کسی کے نیچا نہ دیکھا - جہاں کوئی نخوت و تکبر سے پیش آیا اور اُنھوں نے اُسکو تاڑ بتائی بقول خود ؎ نخوت سے جو کوئی پیش آیا * کج ہمنے کلاہ اپنی کر لی لیکن باوجود اسکے اُن کے دل میں کسی کی طرف سے رنجش و عداوت نہ رہتی تھی وہ اہل علم و ادب کی قدر کرتے اور اُن کو عزیز رکھتے تھے - سید انشا سے اسقدر جھگڑے ہونے کے باوجود مصحفی کو اُن کے انتقال کا بیحد ملال ہوا - بلکہ دراصل سید انشا کے بعد اُنکی زندگی کا لطف ہی جاتا رہا چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں * یاد ہے مرگِ قتیل و مردنِ انشا مجھے

مولانا آزاد نے، انشا کے ساتھ جرأت و قتیل کو بھی ان کے حریفوں میں شامل کر لیا ہے اور یہ اشعار دلیل میں نقل کئے ہیں ؎ اور تو ثانی کوئی اُسکا نہیں ؂ مصحفی کا ہی تحمل البتہ جرأت کچھ میں جرأت نہیں اے مصحفی سحر بیاں ؂ میر و مرزا سے لڑانے میں غزل جاؤنگا اور آگے لکھتے ہیں کہ اکثر غزلوں کے مقطع میں اپنے فخریے اور ملک سخن کی بادشاہی کے دعوے اور مشاعرہ کا اپنے دم قدم سے قایم ہونا اور سب شعرا کو اپنا خوشہ چیں کہنا ایک بات تھی اور یہ دعوی کچھ بیجا بھی نہ تھا" مصحفی کی اس شاعرانہ فخاری سے انکار نہیں لیکن انشا کے سوا انکے تعلقات تمام معاصرین سے نہایت شگفتہ تھے خود انکے تذکرہ میں جابجا اسکا ذکر ہے، مثلاً جرأت ہی کے متعلق اپنے ایک شاگرد کے ذکر میں لکھتے ہیں

"روز ہائے کہ میر مومیٰ الیہ ہمراہ مرزا حالی کہ از کربلائے معلی آمدہ بود بہ لکھنؤ آمد، فقیر دراں ایام رفیق میر محمد نعیم خاں صاحب بود۔ درہماں روزہا با فقیر نیز نیازمندی پیدا کردہ چیزے شکستہ و بستہ خود را برائے اصلاح اکثر می آورد، چوں چند سال بریں بگذشت روزگار فقیر برہم خوردہ، وحشت مزاج براں زیادہ گردید مطلقاً بشعر و شاعری سروکار نماند بلکہ نفرت کلی رو داد۔ مومیٰ الیہ موافق معمول برائے اصلاح می آمد متصدع اوقات آزادگی می شد، او را جواب دادم و گفتم کہ مرا دماغ اصلاح نماندہ است، پیش میاں قلندر بخش جرأت بروید و اکنون شعر خود را بایشاں می نمائید اول راضی بریں نبود آخر چوں دید کہ طبیعت ایشاں آزردہ می شود، پیش مشار الیہ رفت و صورت حال را ظاہر کرد، جرأت گفت کہ میان من و ایشاں دوستی ست قول شما را چہ اعتبار، اگر رقعہ از ایشاں بیاری یقین کنم" و التماس رقعہ از من کرد نوشتہ دادم از ہماں تاریخ آنچہ گفتہ و می گوید بہ جرأت می نماید

بقا جن کی رو سے میر و سودا نے بچ سکے مصحفی کے رفیق و ہمدم تھے چنانچہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں "با فقیر رابطہ آشنائی بسیار مربوط است بلکہ اکثر در شاہجہاں آباد چندے یکجا بودیم و شام و چاشت بہ اتفاق ہمدمی کردیم"

انوا، بقا کے ارشد تلامذہ میں تھے لیکن مصحفی اور بقا کے دوستانہ تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ بقا کے تعلق سے نوا مصحفی کو چچا کہتے تھے چنانچہ اُن کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"در سبب دوستی کہ میان بقاء اللہ از قدیم الایام در پایہ برادری ست بلکہ افزوں تر فقیر را عموی میگوید"، میر سوز کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔ "بسیار مہربانی فرماید و غائب و حاضر از مزخرفات ایں ہیچمداں حظ وافر بر داشتہ، و بہ تکلف در ستائش دوستانہ می افزاید"

غرض مصحفی ایک مرنج و مرنجاں شاعر تھے انشا کی شرارتوں نے اگرچہ اُنکو ان کے ساتھ دست و گریباں رکھا لیکن جرأت اور دوسرے معاصرین کے ساتھ اُن کی آویزش کہیں بھی ثابت نہیں ہوئی اور نواب شیفتہ کا یہ بیان صرف تغلیبی ہے کہ "با جرأت و انشا مشاعرات و مطارحات کردہ است"

مصحفی پر غزل فروشی کا بے بنیاد الزام

پروفیسر آزاد مرحوم نے آب حیات میں مصحفی پر غزل فروشی کا ایسا بدنما اور ناگوار الزام لگایا ہے جس سے اُن کی وقعت اہل قلم کی نظر میں بہت ہلکی اور سُبک ہو جاتی ہے۔ آزاد مرحوم نے آب حیات لکھتے وقت صرف گلشن بیخار کو پیش نظر رکھا ہے مگر اس میں بھی غزل فروشی سے متعلق

کچھ اشارہ نہیں، تمام تذکرہ نویس جنہیں میر حسن مرزا لطف علی اور قدرت مصحفی کے معاصرین میں ہیں۔ اس سے بالکل خاموش ہیں۔ تا ز عندلیب گلشن بنجار سے بھی بعد میں لکھا گیا ہے، اسمیں بھی کوئی اشارہ نہیں۔ زبانی سنی سنائی روایتوں کو بلا تحقیق درج کر دینا محقق مصنفین کی شان کے خلاف اور اخلاقی و مذہبی جرم ہے۔ اور ایسی ہی غیر ضروری اور لغو باتوں کے اضافہ سے آب حیات کے اکثر بیانات قابل اعتبار نہیں،، مصحفی نے اپنے فارسی تذکرہ میں اکثر جزئی حالات ضمناً لکھدئے ہیں اور اپنی سادگی و صاف دلی کیوجہ سے کوئی پردہ نہیں رکھا ہے چنانچہ ایک موقعہ پر ایک قدردان کی نسبت لکھا ہے

"وتذکرہ راکہ تیار شدہ بخریداری تمام برد"

لیکن غزل فروشی کی نسبت کہیں کوئی اشارہ نہیں اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو غزلیں لکھوا کر لیجانے والے لوگوں کے تذکرہ میں وہ اپنی طبعی سادگی کیوجہ سے ضرور لکھتے۔

انھوں نے اپنی غربت و مفلسی کا بھی اکثر اشعار میں بہت صفائی سے ذکر کیا ہے مثلاً۔

ہوں شیخ مصحفی کا میں حیران شاعری ؛ اللہ مفلسی میں یہ کچھ شان شاعری

تنگدستی میں کچھ نہیں معلوم ؛ خرچ اپنا کہاں سے اُٹھتا ہے۔

لیکن ان اشعار سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فاقہ مستی میں اپنے جگر پاروں کو بھون کر کھاجاتے تھے،، اور جب افترا پروفیسر آزاد وہ غزل فروشی کی دُکان لگا کر بیٹھے تھے جو چاہتا تھا ۸ر سے لیکر عہ ر تک خرید لیجاتا تھا۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ، آزاد مرحوم کے اس بیان سے مصحفی کی ہی توہین نہیں ہوتی بلکہ اسمیں اہل لکھنؤ کی بڑی توہین ہے

گویا اہل لکھنؤ خوان مصحفی سے لقمہ اندوزی کے محتاج تھے ،،

آب حیات سے قبل جتنے تذکرے لکھے گئے اُن کے مولفین کو ان حالات کے ظاہر کرنے سے کون سی وجہ مانع تھی ؟ آخر اُنھوں نے اسکا کیوں اشارہ نہیں کیا؟ اسکے علاوہ کسی ایک شخص کو بھی ثبوت میں پیش نہیں کیا گیا کہ فلاں شخص نے مصحفی کو غزل کا معاوضہ دیا ، دوسرے یہ کہ آخر وہ کلام کہاں غارت ہوگیا ، جبکہ مصحفی کا کلام دوسروں کی نذر ہو جاتا تھا تو عہد مصحفی کے ان فرضی شعراء کا کلام (باستثنائے معاصرین مصحفی) پیش کرنا چاہیے کہ کلام چھپ نہیں سکتا وہ خود بتا دیگا کہ یہ مصحفی کا کلام ہے ۔ غرضکہ غزل فروشی کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی شوقین مزاج نے اپنی تکبندیاں بغرض اصلاح پیش کی ہوں اور اُنھوں نے بیکار بنا کر نئے سرے سے غزل لکھدی ہو اور اُن حضرت نے ازراہ تشکر و امتنان کچھ نذرانہ پیش کر دیا ہو ،، اور یار لوگوں نے پھانس کا بانس بنا لیا ہو، واللہ اعلم

"مصحفی کی شاعری"

اور علمی استعداد و قابلیت

اب ہم مصحفی کی شاعری پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں ۔ گذشتہ بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ دہلی میں بھی انکی شاعری کافی ترقی کر چکی تھی دو ایک دیوان بھی تصنیف کر چکے تھے لیکن انکی شاعری کی معراج لکھنؤ پہونچکر اور خصوصاً مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں متوسل ہونے کے بعد ہوئی ۔ ہم اپنی طرف سے اس موضوع پر کچھ لکھنا نہیں چاہتے ۔ معاصرین

تذکرہ نویسوں کی رایوں کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس سے تمام حالات آئینہ ہو جائینگے،،
اپنی قوم کا اشراف ہے، سچ تو یہ ہے کہ گفتگو اسکی بہت صاف صاف ہے - بندش نظم میں
اسکی ایک صفائی اور شیرینی ہے اور معنی بندش میں اسکی بلندی اور رنگینی ،، (گلشن ہند)
نواب مصطفٰے خان شیفتہ حسرتی جن کی سخن سنجی و نکتہ رسی کی مرزا غالب تک داد دیتے تھے،
فرماتے ہیں -- و قوت مشق او از بنجا تواں دریافت کہ در بلاد مشرق بسیار مسلّم و در استادی علم بود
و اکثر سخنوران آں بلاد اکتساب فن ازو کردہ اند،، ہر چند بہ تقاضائے شیوۂ بسیار گویان
اکثر کلامش بہ کم پایہ و از لطائف خالی ست ،، اما گزیدہ اشعار ، او در نہایت زینت و والا
مرتبت عالی است ،، (گلشن بیخار) ،، ایک اور سخن فہم تذکرہ نویس کا بیان ہے
در بلاد مشرق مسلم الثبوت بود و در استادی وے سخن نیست ، بر جمیع اصناف سخن قدرتے تمام داشت
(تذکرہ طور کلیم) (نواب نور الحسن خاں)

حکیم سید قطب الدین باطن دہلوی اپنے تذکرہ نغمۂ عندلیب (معروف بہار بیخزاں،، میں
نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے بعض فقرات کی نہایت سخت الفاظ میں تردید کرتے ہوئے
لکھتے ہیں -

،، شاعر غرا استاد ذوی الاحترام ، استاد مسلم الثبوت ، علم ہمہ دانی میں غلام ہمدانی،
نام سجدہ گاہ شعرا ، ملک ان کے سخن سے آباد ہیں ، اکثر شاگردوں کے استاد ہیں ،
یہ شخص اتنے بڑے استاد ہیں جنکے تعلیم یافتہ خواجہ حیدر علی آتش ، مرزا حیدر علی گرم ،
شیخ پیر بخش مسرور ، طالب علیخاں عیشی ، مرزا تقی ہوس ، اور شہید کی وغیرہ وغیرہ

شاعر مشہور،، ان کی نسبت صاحب گلشن بیخار...... کس کس طرح کی افترا پردازیاں
کرتے ہیں،، (اسکے بعد کچھ سخت و سست لکھا ہے) آگے چلکر کہتے ہیں)
میاں مصحفی صاحب اُستاد ہیں۔ اُستادی کے قابل ہیں، جو صاحب ایسوں سے،،
ترک ادب کریں وہ خود جاہل ہیں،، مصحف کلام آئینہ صفت مسلمان مذہب شاعر کے بکف ہے
گویا دولہا دولھن کے روبرو آرسی مصحف ہے۔ کیا لہجہ ہے، کیا زبان ہے، کیا مضمون ہے
کیا بیان ہے، شاہد مضمون کے جلوۂ جمال سے صفحہ کاغذ غیرت برق ہے، نہیں نہیں
برق جو حُسن کی چمک دیکھے تو غیرت کے دریا میں غرق از پا تا فرق ہے، ان کے
سخن کی تابش سے مشرق مطلع خورشید ہے، کاغذ کا صفحہ رشک چہرۂ نور صبح عید ہے
نغمۂ عندلیب مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۱۶ تا ۲۱۸،،

مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں (اگرچہ اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر ہی سہی تاہم)
اُن کے متعلق تفصیلی رائے ظاہر کی ہے لکھتے ہیں۔

لکھنؤ پہنچکر کثرت مشق سے اپنی اُستادی اور قادر الکلامی کو خاص و عام میں مسلم الثبوت کیا
ان کے فارسی تذکروں اور دیوانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان فارسی
اور ضروریات شعری سے بخوبی ماہر اور باخبر تھے نظم و نثر کی کتابوں کو اچھی طرح
دیکھکر معلومات وسیع اور نظر بلند حاصل کی تھی۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ لکھنؤ میں ایک
شخص کے پاس کلیات نظیری تھا اُس زمانہ میں کتاب کی قدر تھی اسکا مالک نایابی کے
باعث کسی کو عاریۃً بھی نہ دیتا تھا، ان سے اس بات پر راضی ہو گیا کہ خود آکر ایک جزو

لیجایا کرو وہ دیکھ لو تو واپس کرکے دوسرا لیجایا کرو۔ ان کا گھر شہر کے اُس کنارے پر تھا وہ اس کنارے رہتا تھا مگر ان کا شوق حسب معمول ایکدن درمیان دیکر وہاں لیجاتا اور یہ جزو بدل کر لے آتے تھے، ایک دفعہ جب وہاں سے لاتے تو پڑھتے آتے، گھر پر آکر نقل یا خلاصہ کر لیتے لیکر جاتے تو پھر پڑھتے جاتے، جس سے کل حفظ ہو جاتا، کُہنہ مشقی اور قادر الکلامی کا یہ عالم تھا کہ نثر مضمون کو دیکھکر اسطرح بے تکلف نظم کر دیتے تھے کہ دیکھنے والوں کو نقل کا گمان ہوتا تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد موصوف آگے چلکر لکھتے ہیں کہ پانی پت کے ایک شخص لکھنؤ میں رہتے تھے شیخ مصحفی کی اُن سے رسم تھی، ایکدن وہ ایک جزو ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور الگ بیٹھکر کچھ لکھنے لگے سامنے ایک ورق رکھا تھا اُسے دیکھکر اس طرح لکھتے جاتے تھے جیسے کوئی نقل کر رہا ہے، ایک شخص نے پوچھا حضرت کیا ہے جسے آپ نقل کر رہے ہیں لایئے ہیں لکھدوں، اُنھوں نے کہا ایک شخص نے کچھ مضمون مثنوی میں لکھوانیکی فرمائش کی تھی اُسکا تقاضا مدت سے تھا، کچھ تو مجھے یاد نہ رہتا تھا کچھ فرصت نہ ہوتی تھی آج اُس نے بہت شکایت کی اور مطلب لکھکر دیدیا، سو میں اُسے نظم کر رہا ہوں،، اس سے روانی طبع اور مشق سخن کو قیاس کرنا چاہیے،،

دیوان انکی استادی کو مسلم الثبوت کرتے ہیں، انواع و اقسام کی صدہا غزلیں ہیں۔ جو غزلیں سنگلاخ زمینوں میں لکھی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مشق سے کلام پر قدرت کامل پائی ہے، الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کرکے اس درو بست کے ساتھ شعر میں کھپایا ہے کہ جو حق اُستادی کا ہے ادا ہو گیا ہے، اسکے ساتھ اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے

طبیعت رواں تھی پرگوئی کے سبب سے وہ لطف کلام میں نہ پیدا ہوا، غزلوں میں سب رنگ کے شعر ہوتے تھے، کسی طرز خاص کی خصوصیت نہیں بعض تو صفائی اور برجستگی میں لاجواب ہیں، بعض میں یہی معمولی باتیں ہیں،،۔

قصیدے خوب ہیں اور اکثر انمیں نہایت مشکل زمینوں میں ہیں کچھ حمد و نعت کچھ مرزا سلیمان شکوہ اور حکام لکھنؤ کی شان میں ہیں، ان میں بڑے بڑے الفاظ بلند مضامین فارسی کی عمدہ ترکیبیں اُن کی درست نشستیں جو جو اُسکے لوازم ہیں انمیں موجود ہیں البتہ بندشوں کی چستی اور جوش خروش کی تاثیر کم ہے - اکثر واقعات کی تاریخیں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔ غرض شعر کی ہر شاخ کو لیا ہے اور جو قواعد و ضوابط اُسکے پرانے اُستادوں نے باندھے ہیں اُن کا حق حرف بحرف پورا پورا ادا کیا ہے ہاں اپنے ہمعصروں کی طرح طبیعت میں چلبلاہٹ اور بات میں شوخی نہیں پائی جاتی (یہ اُن کی سنجیدگی اور انتہائی متانت کی دلیل ہے) اس موقعہ پر خامۂ آزاد نے اپنی مستانہ آزادروی سے مجبور ہوکر وہی سید انشا کی شوخی کا راگ الاپا ہے اور مصحفی کے بڑھاپے اور امروہہ پن کے فقرے کو دُہرا کر اُن کے کلام کو بمقابلہ انشا پھیکا اور سیٹھا بتایا ہے، مگر مطلب کو بہت خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کرکے اور اصول و قواعد سے ناپ تول کر بات کہنے کو مجبور ہوکر تسلیم کرتے ہوئے سید انشا کی بیقاعدگی اور اصول کو مان لیا ہے، اور آگے چلکر کہتے ہیں، یہ سب کچھ سہی مگر جس شخص کا قلم آٹھ دیوان لکھکر ڈالدے اسکی اُستادی میں کلام کرنا انصاف کی جان پر ستم کرنا ہے

میر تقی میر کی سند! ایک مشاعرہ میں میر تقی بھی موجود تھے شیخ مصحفی نے غزل پڑھی ؎

تمنا منہ ہاتھوں کی حنا لگئی دل کو — مکھڑے کے چھپانے کی ادا لگئی دل کو

جب یہ شعر پڑھا ۔

یاں نقل غمون سازنے باتوں میں لگایا　　دے پیچ اُدھر زلف اڑا لیگئی دل کو

میر صاحب نے داد دیکر فرمایا بھئی ذرا اس شعر کو پھر پڑھنا، ان کا اتنا کہنا ہزار تعریفون کے برابر تھا،،

دور حاضر کے ایک مستند سخن سنج مولوی سید فضل الحسن مناحسرت موہانی نے شیخ مصحفی کے متعلق اپنی محقانہ و منصفانہ رائے کا جن لفظوں میں اظہار فرمایا ہے وہ قابل دید اور ہمارے سلئے لائق تقلید ہے ۔ فرماتے ہیں سب سے بڑھکر ثبوت اُن کے کمال فن کا یہ ہے کہ جتنے اُستاد اُن کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں نکلے اتنے ولی سے لیکر آج تک کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئے ۔ چنانچہ ان کے معاصر استادوں مثلاً میر حسن جرأت ۔ انشا کے شاگردوں کی تعداد انکے متوسلین کے دسویں بلکہ بیسویں حصے کی برابر بھی نہیں ہے ،حتی کہ میر حسن کے صاحبزادے میر خلیق (میر انیس کے والد) خود اپنے والد کے اشارے سے انھیں کے شاگرد ہوئے اور شاگردی پر قایم بھی رہے ،، مصحفی کے بعد لکھنؤ کے تمام مشہور اُستاد مصحفی کے حلقہ بگوش تھے ، بعض تذکرہ نویسوں کی تحقیقات کے مطابق شیخ ناسخ کو بھی بواسطہ محمد عیسٰی تنہا انھیں سے تلمذ تھا ۔ چنانچہ دیباچہ دیوان ششم مصحفی کی عبارت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہتے ہیں کہ در

صفت الوان این خوان بہ شیخ ناسخ کہ یکے از دوستان محمد عیسٰی تنہا است و بفقیر کم رسوخ ازتہ دل دارد مفسوم گشت ۔

(پروفیسر آزاد نے تذکرہ مصحفی میں ناسخ کا ذکر نہ ہونے سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ مصحفی کے

شاگرد نہیں تھے اور مرقوم الذکر تلامذہ کو انکے تلامذہ کی مکمل فہرست سمجھ لیا ہے، یہ سخت مغالطہ ہے مصحفی نے اپنے تذکرے میں تلامذہ کی کوئی مکمل فہرست درج نہیں کی تمام شعرا کے ذکر میں ضمناً اُن کے تلامذہ کا نام آجاتا ہے، اس تذکرہ میں آتش و اسیر کا ذکر بھی نہیں آیا تو کیا پروفیسر آزاد کیطرح یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی مصحفی کے شاگرد نہیں تھے،، ناسخ کی شاگردی دیباچہ دیوان ششم کی عبارت سے صاف ظاہر ہے)

مصحفی کی ہمہ گیر و ہمہ رنگ طبیعت نے کسی خاص رنگ سخن پر قناعت نہ کرکے مشاہیر شعراو متقدمین و متاخرین میں سے تقریباً ہر ایک کے انداز سخن کا پسندیدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ اُن کی غزلوں میں کہیں میر کا سا درد ہے تو کہیں سودا کا دبدبہ کسی مقام پر فغاں کی رنگینی ہے تو کسی جگہ سوز کی سادگی، کہیں واقعات میں جرأت کی سلاست و حقیقت نویسی سے کام لیا ہے تو کہیں ترکیب الفاظ اور انداز بیان میں انشا کا طنطنہ و جبروت صرف ہوا ہے کہیں پر غزلوں کو قطعات مسلسل پر ختم کرنے میں جعفر علی حسرت کا رنگ پیش نظر ہوتا ہے تو کہیں مشکل ردیف و قافیہ کو بخوبی و صفائی نباہنے میں شاہ نصیر کا کمال سامنے آجاتا ہے، اور پھر ان سب کے علاوہ جن غزلوں اور بیتوں میں ان تمام اساتذہ کی خوبیوں کو ان کی کہنہ مشقی اور استادی یکجا کردیتی ہے تو اُن کا کلام لاریب اُردو شاعری کے بہترین نمونوں میں پیش کیا جاسکتا ہے پروفیسر آزاد نے مصحفی کی زبان کے متعلق صرف اتنا فقرہ لکھا ہے کہ محاورات قدیم میں انھیں مرسوز، سودا اور میر تقی کا ایک آخری ہمزبان سمجھنا چاہیے،، لیکن مولانا حسرت منصفانہ نظر سے غور کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مصحفی کی زبان اگرچہ میر و سودا کی قدیم زبان سے

ملتی جلتی ہے لیکن اسدرجہ سبک اور شیریں واقع ہوئی ہے کہ اکثر اسکی حلاوت اس زمانے میں بھی ناظرین کے دلوں میں اُسکے متروک الاستعمال ہونے کا گمان نہ پیدا ہونے دیگی۔ ملاحظہ ہو۔

ے جب واقف راہ وروش ناز ہوئے تم ٭ عالم کے میاں خانہ برانداز ہوئے تم ٭
رات پردہ سے ذرا منھ جو کسو کا نکلا ٭ شعلہ سمجھا تھا اُسے میں پہ بھبھوکا نکلا ٭

فارسی ترجموں کا اُردو الفاظ میں جوڑ ملانا بھی شعرائے متقدمین کا خاص جوہر ہے۔ چنانچہ مصحفی نے بعض محاوروں کس خوش اسلوبی سے اُردو میں آمیختہ کیا ہے کہ ارباب بینش اُس کو دیکھیں گے اور تعجب کریں گے۔ مثلاً

زلفوں کی برہمی نے برہم جہان مارا ٭ پلکوں کی کاوشوں نے سینوں کو چھان مارا
جب کوہ و بیاباں میں جا ہمنے قدم مارا ٭ فرہاد نہ کچھ بولا مجنوں نے نہ دم مارا
تنہا نہ دل اپنا ہی میں زیر و زبر دیکھا ٭ اس جنبش مژگاں نے عالم کو بہم مارا
میں تیرے تغافل کا کشتہ ہوں کہ عاشق کو ٭ معشوق کی آنکھوں نے اس لطف سے کم مارا
مجھ صید ناتواں سے مگر عار لے گیا ٭ قاتل جو اپنی کھینچ کے تلوار لے گیا

دواوین مصحفی میں ہر رنگ کا کلام کافی مقدار میں موجود ہے مثلاً چھوٹی بحر کی یہ دو غزلیں ے

بادل جو گھرا ہوا ہے ٭ آنسو بھی تُلا ہوا کھڑا ہے
دیکھ اُس کو اک آہ ہمنے کی ٭ حیرت سے نگاہ ہمنے کر لی

ان دونوں غزلوں کی سادگی و صفائی خصوصاً دوسری غزل کا درد میر تقی میر کے کلام سے یاد دلاتا ہے۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی مصحفی کا کلام میر سے دوسرے درجہ پر ہے۔

میر کی سادگی اور درد کے ساتھ سودا کا زور و دبدبہ بھی موجود ہے ملاحظہ ہو ؎

منظور اگر تمھیں بھی تماشائے خلق ہے — وابستہ اک نظر کی تمنائے خلق ہے
کس طرح کوئی چین سے بیٹھے کہ رات دن — دورِ سپہر درپئے ایذائے خلق ہے
معنی طلب کی صورت خالق پہ ہے نظر — صورت پرست محو تماشائے خلق ہے

خالص عاشقانہ انداز میں سادگی بیان کے ساتھ واقعیت مضمون کا نباہنا جرأت کا حصہ ہے لیکن مصحفی نے جا بجا اپنی غزلوں کو اس رنگ میں بھی جرأت سے ملا دیا ہے مثلاً کہتے ہیں ؎

چھپایا تم نے منہ ایسا کہ بس جی ہی جلا ڈالا — تغافل نے تمھارے خاک میں ہمکو ملا ڈالا
نہ اٹھا حشر میں بھی اُسکی تیغ ناز کا کشتہ — کیا خونِ دو عالم اور وہیں اُسنے چھپا ڈالا
مرض تھا مصحفی کو صعب تر یہ خوب وہ سمجھا — کہ جوں توں آپ کو اُسنے ترے کوچے میں لا ڈالا

مصحفی کے کلام کی خوبی زیادہ تر شگفتہ اور دراز قافیوں اور ردیف کی تلاش اور پھر ردیف کو مختلف طور سے نباہنے کی ترکیب پر منحصر ہے اور یہی مسلک تھا تقریباً تمام پُرانے شاعروں کا جو لکھنؤ میں مصحفی کے بعد بھی ہوس و عیشی تک اور دہلی میں شاہ نصیر کے بعد ظفر تک قائم اور پسندیدۂ اہل نظر رہا۔

مندرجہ ذیل منتخب غزلوں کو پڑھکر ارباب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ مختلف ردیفوں کو اُستاد نے کن کن پہلوؤں سے نباہا ہے اور قادر الکلامی کی کیسی کیسی مثالیں بروئے کار آئی ہیں۔

بھیگے سے ترا رنگِ حنا اور بھی چمکا — پانی میں نگاریں کفِ پا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ پڑی مینھ کی بوندیں ترے مُنھ پر — جوں لالۂ تر حسن ترا اور بھی چمکا

دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے اُس کی — کمبخت یہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا

اے مصحفی کیا بات کہوں درد جگر کی — جوں جوں کہ میں کی اسکی دوا اور بھی چمکا

خالی ہی چلے آتے ہیں ہم صحن چمن سے — داماں میں کچھ ہے نہ گریباں میں کچھ ہے

اے مصحفی مرنے کی مرے سنکے وہ بولے — کیا لگتا ہے مرجانے میں انسانیں کچھ ہے

اک تیغ کے لگتے ہی لگی جان ٹھکانے — اچھا تو ہے لگ جائے جو انسان ٹھکانے

ناکام پھرا واں سے تو قاصد نے کہا یوں — یہ خط نہیں لگتا کسی عنوان ٹھکانے

اے دست جنوں تیری مدد ہے تو اسی دم — اک جھٹکے میں لگتا ہے گریبان ٹھکانے

دیکھو اُس کی شب وصل میں اوسان ہمارے — پھر پھر کے فلک ہوتا ہے قربان ہمارے

اور اس کے سوا ہو دیگی کیا مصحفی شہرت — جیتے ہی لکھے جاتے ہیں دیوان ہمارے

ان غزلوں کے دیکھنے سے ثابت ہوگا کہ میر تقی کے رنگ میں مصحفی میر حسن کے ہم پلہ ہیں سودا کے انداز میں انشا کے ہمپایہ اور جعفر علی حسرت کے طرز میں جرأت کے ہمنوا ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اپنے ان سب ہمعصروں میں باعتبار کمال سخندانی و مشاقی برتر ہیں اور یہیں سے ہے کہ راقم کی نگاہ میں میر و مرزا کے بعد اور کوئی اُستاد ان کے مقابلہ میں نہیں جچتا معلوم نہیں صاحب آب حیات نے کس بناء پر سید انشا کو مصحفی پر ترجیح دینے کی جابجا بیفائدہ کوشش کی ہے سید انشا کی طباعی اور قابلیت میں کسکو کلام ہے مگر دربار لکھنؤ کی مجبوریوں نے اُن کی ظرافت کو دائرہ اعتدال سے خارج کرکے اُن کے کلام کو بقول نواب شیفتہ مرحوم ساقط الاعتبار بنا دیا تھا چنانچہ نظر بحالات موجودہ اُنھیں مصحفی کے مقابل لانا مصحفی کے کمال کی توہین کرنا ہے۔

اور بس (رسالہ اردوئے معلی جلد ۶ نمبر ۶ بابت جون سنہ ۱۹۰۶ء)

شیخ مصحفی نے بڑی عمر پائی اپنے کلام میں اسکے اشارے بھی کئے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

عمر نے جب عشرۂ ہشتم میں رکھا ہے قدم + مصحفی کیا ہو سکے مجھ ناتوان و زار سے۔

آخر عمر میں لکھنؤ میں دوسری شادی بھی کی تھی مگر اولاد کا علم نہیں، اسی برس کے قریب بڑھاپے کی وجہ سے اونچا بھی سننے لگے تھے، ساتویں دیوان میں ایک شعر ہے۔

مصحفی آپ کو دانستہ بنایا ہے اصم — رنج تا مجھکو نہ پہونچے سخن بدگو سے

شیخ مصحفی اپنے وطن سے ناراض ہو کر نکلے تھے اور دوبارہ انکو وطن کی صورت دیکھنا نصیب نہیں ہوئی انکو ترک وطن کا عمر بھر افسوس رہا وہ جا بجا وطن کی یاد میں حسرت بھرے شعر کہتے ہیں ملاحظہ ہوں اشعار ذیل،

اے مصحفی تو واں سے کیوں بھٹکے آیا تھا — دیوانے تری خاطر کڑھتا ہے وطن سارا

روئے وطن نہ دیکھا تو نے جو مصحفی پھر — شاید کہ پھینکتے تو اپنے وطن سے نکلا

لکھنؤ کے مناقشات سے تنگ آکر کہتے ہیں۔ **رباعی**

یارب شہر اپنا یوں چھڑایا تو نے + ویرانے میں مجھکو لا بٹھایا تو نے

میں اور کہاں یہ لکھنؤ کی خلقت + اے وائے یہ کیا کیا خدایا تو نے

تصانیف وغیرہ — گلشن بیخار میں ان کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے

"شش دیوان ریختہ و تذکرہ تمام کرد و دیوانے در فارسی و تذکرہ ہم دارد"

پروفیسر آزاد اس کی تائید میں مندرجہ ذیل اشعار کا اضافہ کرتے ہیں ؎

مصحفی آج دعا مانگے ہے تجھسے یارب	ایک ہے ذات تری سب پہ غفور اور رحیم
یہ جو دیوان چھپیں اُسکے ہیں مانند سہیل	بزم شاہاں میں لباس انکا رہے جلد ادیم

آگے چلکر لکھتے ہیں کہ راقم کے پاس جو انکے دیوان ہیں اُن میں سے ایک پر دیوان ہشتم لکھا ہے اور ایک دیوان اور بھی ہے جسمیں سید انشا کے جھگڑے قصے ہیں یہ آٹھواں ہوگا کہ سب سے اخیر ہے مصحفی کے اس فارسی تذکرہ کی عبارت سے کچھ زائد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ان بیانات سے ان تصانیف کی مکمل فہرست مرتب نہیں ہو سکتی کیونکہ اس تذکرہ کے بعد انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے خدا جانے کن کن تصانیف کا اضافہ ہوا ہوگا۔

عبارت تذکرہ مصحفی "دو دیوان فارسی بزبان فصیح کہ یکے درجواب مولانا نظیری نیشاپوری ہنوز ناتمام است ویکے بطور خود تمام ست، وسہ دیوان ہندی ودو تذکرہ یعنی فارسی وہندی و دو جز شاہنامہ تا نسب شاہ عالم بہادر، ویک دیوان ہندی کہ در شاہجہاں آباد گفتہ معہ مسودہ دیوان فارسی اول کہ زبانش بطور جلال آسیر و ناصر علی بود بدزدی رفتہ"

بہرحال مذکور بالا بیانات سے متفقہ طور پر اُنکی تصانیف کی فہرست حسب ذیل ثابت ہوتی ہے،

اُردو دیوان نو (۹) جنمیں سے ایک دہلی میں چوری گیا۔

فارسی دیوان تین (بجواب نظیری نیشاپوری۔ بطور خود۔ بطور زبان جلال اسیر و ناصر علی) یہ آخری دہلی میں چوری گیا۔ تذکرہ شعرا فارسی ایک (۱) جو کتب خانہ ندوۃ العلماء اور کلکتہ میں موجود ہے۔ تذکرہ شعرا اردو (دو) مثنوی شعلہ شوق

مثنوی بحر المحبت) دو جز شاہنامہ (۱) تا نسب شاہ عالم۔

اس حساب سے انکی تصانیف کی تعداد ستر تک پہونچتی ہے واللہ اعلم۔ تلامذہ کی صحیح تعداد بتائی نہیں کیجا سکتی
بقول پروفیسر آزاد شیخ موصوف نے لکھنؤ میں صدہا شاعر شاگرد کر دئے، چند مشہور تلامذہ جو
خود بھی زبردست اُستاد ہوئے یہ ہیں؛ اسیرؔ۔ آتشؔ۔ ضمیرؔ۔ تنہاؔ۔ شہیدیؔ۔ ملیحؔ۔ ہوسؔ۔
عیشیؔ۔ میر خلیقؔ۔ صباؔ۔ گرمؔ۔ منتظرؔ۔ مخمورؔ۔ شعورؔ۔ غافلؔ۔ فردؔ۔ مسرورؔ۔ مفتونؔ۔ ثمرؔ۔ ظریفؔ۔ عبرتؔ۔ شمسؔ
وغیرہ وغیرہ سوفیات الحاصل وہ شہسوار علم و فن شہنشاہ ملک سخن اپنے اشہب گلگوں طبع موزوں کو
میدان شاعری میں تادم مرگ کداتا اور زمانہ کے نشیب و فراز طے کرتا ہوا سنہ ۱۲۴۰ ہجری
میں اس تنگنائے دار فنا کو چھوڑ کر عازم ملک بقا ہوا لکھنؤ کی جاذب اہل کمال سرزمین میں
جہاں اور اہل کمال سوئے ہوئے ہیں وہ آفتاب شاعری بھی پردہ خاک میں روپوش ہے
اُس کی ضو فشانیوں سے اگرچہ دنیائے شاعری کو محروم ہوئے ایک صدی گذر گئی مگر اُسکے
فیض باطن کی شعاعیں آج بھی اُسکے سلسلے سے وابستہ ستاروں و شاعروں کو مستفید
اور منور کر رہی ہیں۔ اے ایشیائے شاعری کے درخشاں آفتاب مردہ صد سالہ مصحفیؔ
حاسد تیری عزت و شہرت کو ہزارہا مٹانا چاہیں، مگر کہیں چاند پر بھی خاک پڑتی ہے۔
تیرا نام و کلام ایک صدی سے روشن ہے اور قیامت تک روشن رہیگا۔ خاک پاک
امروہہ تیرے وجود مسعود پر ہزار فخر و ناز کرتی ہے۔ اور قیامت تک کرتی رہیگی اگرچہ
انقلاب زمانہ اور گردش افلاک نے تجھکو اپنے وطن سے دائمی مفارقت گوارا کرنے پر
مجبور کر دیا، مگر تیرا وطن اور اہل وطن تجھکو کبھی نہیں بھول سکتے۔ خدا تجھے بلبل گلزار جناں
بنائے اور وہاں بھی تو اپنے نغمہ ہائے دلکش سے حوران جناں کو رقص میں لائے۔"

سید حبیب احمد افق موسوی امروہوی جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDE...

"صحیفۂ مصحفی"

مندرجہ ذیل کلام مصحفی کے تقریباً آٹھوں دیوانوں کا انتخاب ہے - یہ انتخاب، آب حیات - سخن شعرا، نالۂ عندلیب، گلشن ہند، مخزن الاشعار، گل رعنا، تزک اردو، تذکرہ شعرا، وار دو معلی، حسرت، و انتخاب چہار دواوین مصحفی، مرتبہ مولانا حسرت موہانی، سے لیا گیا ہے - مثنوی بحر المحبت، شائع کردہ مولوی عبد الماجد بی اے - کی نقل ہے - کچھ کلام صحیفہ کی کتابت کے بعد دستیاب ہوا تھا جسکو جا بجا بین السطور میں گنجائش نکالکر درج کر دیا اور جو کچھ نہ کھپ سکا اسکا اندراج بطور ضمیمہ آخر میں ہے افسوس ہے کہ مصحفی کا فارسی کلام دستیاب نہو سکا - صرف دو غزلیں رسالہ ہزار داستان لاہور میں میری نظر سے گذری تھیں، جسکو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے، امید کہ ناظرین اس روح پرور عطر انتخاب کو پسند فرمائینگے (فقیر میر افق امروہوی) . . . . . . (جنوری سنہ ۱۹۲۶ء)

"قند پارسی"

آسماں بہ بر رخ تو نظر دوختیم ما — جائے گداختیم و دلے سوختیم ما

روزے بجز منم بزن اے برق آتشے — تا روشنت شود کہ چہ اندوختیم ما

بے ہے دلے کہ قیمت او بود سلطنت — بر یک نگہ بدست تو بفروختیم ما

شب آمد و ہماں بالم نالہ سر کنیم — گوئی کہ نالہ با شب آموختیم ما

کس مصحفی ز سوز دل ما خبر نشد
دردا کہ سوختیم و نہ افروختیم ما

دیروز پیش بر رخ تو نظر داشتیم ما — در ہر نظارہ ذوق دگر داشتیم ما
دی شب بہ بزم غیر کہ رفتی و آمدی — پنہاں مکن کہ از تو خبر داشتیم ما
بارے تو خود بگوے کہ با ایں مصاحبت — دور از تو خویش را چہ قدر داشتیم ما
رفتیم و یاد ما تو نہ کردی ہزار حیف — گاہے بخاطر تو گذر داشتیم ما
اکنوں بدیدہ قطرۂ خونے نمی رسد — اے مصحفی چہ شد کہ جگر داشتیم ما

انتخاب دواوین اُردو

خداوندا انہیں مشتاق ہیں سرو و صنوبر کا — بروز حشر میرے سر پہ ہو سایہ پیمبر کا
جواب نامہ تو معلوم اُسکے پاس سے آنا — کوئی پر اُڑتے اُڑتے شاید آ پہونچے کبوتر کا
ہمیشہ ہم تو رویا ہی کیے اس دل کے ہاتھوں — نہ سوکھا ایک دن رومال اپنے دیدۂ تر کا
بھری مجلس میں گر پڑتے ہیں آنسو میری آنکھوں کے — چھلکتا جبکہ ساقی یاد آجاتا ہے ساغر کا

کوئی دن مصحفی ہمسائے سُکھ کی نیند سوئے تھے
کیا نالوں نے تیرے پھر بپا ہنگامہ محشر کا

بوئے خون دیتا ہے کچھ مجھکو یہ گلشن ای صبا
ہے شہیدونکا یہان کس کس کے مدفن ای صبا

کسکے ماتم مین ہوئے ہین گل ہزارون سینہ چاک
بلبلین کرتی ہین کس کشتے پہ شیون اے صبا

ہم اسیران قفس کو تب خبر دی تو نے آہ
لٹ گئی جب باغ مین پھولونکے خرمن ای صبا

ڈال کر شبنم کے مندرے بے تکلف کان مین
اب کی ہولی مین بنانا گل کو جوگن اے صبا

کیا غیر کا کھٹکا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا
یہ منھ تجھے تیرا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

جو چاہتے ہین مجھکو وہ کہتے ہین! خدایا
تو عالم و دانا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

دیوانے جو ہوتے ہین کہا کرتے ہین کیا کیا
مجھکو یہی سودا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

ای مصحفی بیٹھے مرے کہنے کو ہین قائل
بعضونکا مقولا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

بوئے محبت اپنی رکھی خدا نے اُس مین
سینہ مین آدمی کے دل عطردان بنایا

اپنی تو اس چمن مین عمر اسطرح سے گذری
یان آشیان بنایا وان آشیان بنایا

گرم سفر رہے ہم منزل کو پر نہ پہونچے
آوارگی نے ہمکو ریگ روان بنایا

ای مصحفی! گریبان سارا لہو سے تر ہے
یہ رنگ اپنا ظالم! تو نے کہان بنایا

سوجھا نہ ہمین خاک بھی کچھ بے بصری سے
یان ورنہ ہر اک ذرہ مین خورشید عیان تہا

رکھنا مجھے معذور تم اے قافلے والو
مانند جرس دل مرا لبریز فغان تہا

جی سینے مین صرفہ نہ کیا ہم نے کسی سے
ہرچند کہ اس بات مین اپنا ہی زیان تہا

موج اٹھی جو میرے دل سے اُسکو نار عشق
چین پیشانی بنایا یا خم ابرو کیا

اس چمن مین ہم نہین شرمندہ اک گل کی نسیم
گو کہ اورون نے دماغ آرزو خوشبو کیا

گوہر غلطان کی خوبی خاک مین مل جائیگی	گر روان ہم نے بہی پلکون پر کوئی آنسو کیا
دیکھ آئینہ مین اک مہِ تابان ہے دوسرا	تجھسا ہی تیری شکل کا حیران ہے دوسرا
اک وضع پر سلوک فلک کب ہے سب کے ساتھ	گر ایک اس سے خوش ہے تو نالان ہے دوسرا
اک ہاتھ صرفِ سینہ زنی جس طرح ہوا	ماتم مین دل کے وقفِ گریبان ہے دوسرا
کیا اور مصحفی مین کرون وصفِ لکھنؤ	روکے زمین پر اب یہ صفاہان ہے دوسرا
تو ہے وہ بے بدل کہ تری شکل کا کوئی	پیدا کیا خدا نے نہ انسان دوسرا
اشک آیا چشمخانہ مین یون لختِ دل سے لئے	مہمان کے ساتھ جیسے ہو مہمان دوسرا
معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونے کا	کہ ان آنکھون کو اک مدت سے ہے آزار رونے کا
مین سو سو بار دن مین ہمنشین کاہیکو پھر روؤن	نکل جائے اگر دل سے بخار اکبار رونے کا
ہنسی آتی ہے تیری بات پر اے مصحفی مجھکو	نہ کر تو ذکر میرے روبرو ہر بار رونے کا
بیٹھا یہان جو آکے بہانے سے اوٹھ گیا	آسودگی کا حرف زمانے سے اوٹھ گیا
دیوانہ بہار جو تھا اس بہار مین	صحرا کو تو بہار کے آنے سے اوٹھ گیا
ہرگز نہ مصحفی کا رہا خاک بہی نشان	نقشِ قدم کی طرح زمانے سے وہ اوٹھ گیا
کوچے سے ترے دل مجھے جانے نہین دیتا	اسبابِ سفر یان سے اوٹھانے نہین دیتا
ہے رشک فلک کو مری اوقات سے یان تک	غم کہاؤن تو غم بہی مجھے کہانے نہین دیتا
کہتے ہین کہ پھر فصلِ گل آئی ہے چمن مین	کیون دستِ جنون دھوم مچانے نہین دیتا
یہ رشک تو دیکھو وہ نسیم اور صبا کو	تربت پہ مری پھول چڑھانے نہین دیتا

لازم تری باتون سے ہین آپ بہی ہو نا
کچھ یہ بہی عداوت ہے کہ جب ہو مری نوبت

اور تجہکو کسی بات مین الزام نہ دینا
ساقی سے یہ کہتے ہوا ہے جام نہ دینا

مین گلشن جہان مین وہ نازک مزاج تہا
آخر کو ہو کے لالہ اُگا تو بہار مین

جب تک رہا تو خندۂ گُل سے حزین رہا
خونِ شہید عشق نہ زیر زمین رہا

ملنے کا اُس سے قصد ذرا ہم نے جب کیا
ہون بسکہ صرف یاد مین اُس کی اندنون

سونا توانیون نے وہین جان بلب کیا
جو کچھ پڑھا تہا مین نے فراموش سب کیا

مطرب پسر کو دستِ درازی کی مشق ہے
ہر چند مصحفی مین جواہر رقم نہین

باتون مین شیخ شہر کا عمامہ لے گیا
پر موتیون کی آب مرا خامہ لے گیا

درمیان مین نقاب کس دن تھا
آہ جاتی ہتی سعی سے لب تک
حادثے ہوتے تھے زمانے مین
کشورِ بخت تیرہ روزان مین
مصحفی آج تو قیامت ہے

میرے اُس کے حجاب کس دن تہا
نالہ پا در رکاب کس دن تہا
اس قدر انقلاب کس دن تہا
جلوہ گر آفتاب کس دن تہا
دل کو یہ اضطراب کس دن تہا۔

جز تیری ہوا کے میرے سر مین
جون اشکِ سرِ مژگان ہم پہر نہ نظر آئے
مین اس انداز کے صدقے کہ جو کی مجھ پہ نظر
ہرگز نہ رکا ہاتھ مرا جامہ دری سے

مانندِ حباب کچھ نہ نکلا
از بسکہ یہان وقفہ اک چشم زدن کا تہا
دیکھتے ہی مجھے اُس نے نظر انداز کیا
اک چاک نیا روز گریبان مین دیکھا

خدا جانے یہ دل کشتہ ہے کس انداز داماں کا
کہ ہے چاک کفن کی شکل چاک اسکے گریباں کا

شب مہتاب میں کیا کیا سماں ہمکو دکھاتا ہے
بکھرنا چاند سے مکھڑے پہ اُس زلف پریشاں کا

کیا ہے تیغ بے جوہر کو جوہر دار قاتل نے
خم ابرو پہ یہ عالم نظر آتا ہے افشاں کا

تجھے اے مصحفی کب ہے خبر درد محبت سے
نہ لے تو میرے آگے نام اے بیدرد درماں کا

شب جو اُس نے قدم اپنا مرے سر پر رکھا
میں نے سر پر سے اُٹھا دیدۂ تر پر رکھا

اُس کی آنکھوں کو نہ دیکھا کبھی دیداروں نے
جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا

کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا رات
جو قدم آپ نے رکھا مرے سر پر رکھا

جھڑ پڑا داغ چمن میں جو کوئی لالے کا
ہم نے وہ داغ اٹھا اپنے جگر پر رکھا

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ گل غیر نے ہائے
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

مصحفی چاہیئے کیا پھر اُسے اُٹھ چلنے کو
جس مسافر نے کہ دل اپنا سفر پر رکھا

کیا جانے کیا کرے گا یہ دیدار دیکھنا
اک دن میں آئنہ انھیں سو بار دیکھنا

کھینچے ہیں اپنی اپنی طرف زلف و خال و خط
کتنے ہیں ایک دل کے خریدار دیکھنا

جب دیکھا ہمنے اسکو تو مر مر کے ہم بچے
یعنی نہیں ہے ہم کو سزاوار دیکھنا

جاتے ہی اُن کے ساتھ چلی جان مصحفی
ان خوش قدوں کی خوبی رفتار دیکھنا

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا — ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

چمکی بجلی سی پر نہ سمجھے ہم — حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا

شب جو دل دو دو ہاتھ اچھلتا تھا — وجد تھا یا وہ حال تھا کیا تھا

جسکو ہم روز ہجر سمجھے تھے — ماہ تھا یا وہ سال تھا کیا تھا

مصحفی رات چپ جو بیٹھے تھے
کیا تمھیں کچھ ملال تھا کیا تھا

اس کو منظور یاں نہ آنا تھا — تپ کا آنا بھی اک بہانا تھا

یاد ایام بیقراری دل — وہ بھی یارب عجب زمانا تھا

اب کہاں ہم، کہاں وہ کنج قفس — کوئی دن واں بھی آب و دانہ تھا

مفت میں اس کی گالیاں کھاتیں
مصحفی تجکو غم ہی کھانا تھا

اگر درد دل میں یہ لذت ہے یارو — تو میں ان طبیبوں کے درماں سے گذرا

کسی اپنے دشمن پہ بھی وہ نہ گذرے — جو مجھ پر جدائی یاراں سے گذرا

نہ دشت محبت کو سرسبز دیکھا — کئی بار خضر اس بیاباں سے گذرا

ہوئے فرش گل اسکے ہر ہر قدم پر — جو دامن کشاں وہ گلستاں سے گذرا

عشق مجھے اہل بصر کر گیا — اشک کے قطرے کو گہر کر گیا

رہ گئے ہم سوتے ہی افسوس ہے — قافلۂ صبح سفر کر گیا

اُس نے نہ پوچھا مجھے، تو کون ہے؟
جس کی اداؤں پہ میں مر مر گیا

یار مرے سر سے نہ گزرا تو کیا
یار کا خنجر تو گزر کر گیا

شمع صفت مصحفی اس بزم میں
جیسے بنی عمر بسر کر گیا

نظارہ کروں دہر کی کیا جلوہ گری کا
یاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا

مردوں کو جلاتی ہے ترے پاؤں کی ٹھوکر
اس چال پہ مرنا ہے بجا کبک دری کا

تربت پہ مری برگ گل تازہ چڑھانے
احسان ہے مجھ پر یہ نسیم سحری کا

کہتے ہیں جسے اہل جہاں شور قیامت
اک پیش قدم ہے وہ تری جلوہ گری کا

کیا بھیجئے قاصد کو وہاں کوچے مین جسکے
جبریل کو مقدور نہین نامہ بری کا

کیا لطف مقام انکو جو مشتاق عدم ہین
دل کوچ مین رہتا ہے ہمیشہ سفری کا

بندہ ہے ترا مصحفیِ خستہ کو یارب
محتاج طبیبون کی نہ کر چارہ گری کا

ہے یہاں کسکو دماغ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکان چاہیے تنہائی کا

باغ میں اُگتے ہیں واں کے گل رعنا ابتک،
جسجگہ سایہ پڑا تھا تری رعنائی کا

رہزنِ قافلۂ دل ہوئیں جب وہ مژگاں
پہلے اسباب لُٹا صبر و شکیبائی کا

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کسقدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

عشوہ و ناز و ادا اسکے یہی کہتے ہیں
لے سکے نام تو یاں کوئی شکیبائی کا

خوبروئی جسے کہتے ہیں سو ہے چیز جدا
شوق یوں کسکو نہیں ورنہ خود آرائی کا

مصحفی ریختہ پہونچا مرا کس رتبے کو
شوریاں گرد ہے مرزا کی بھی مرزائی کا

صاف چولی سے عیاں ہے بدنِ سرخ ترا / نہیں چھپتا ہے شبنم چمنِ سرخ ترا
یہی عالم ہے اگر اسکا تو دکھلادے گا / بارشِ خوں کا سماں پیرہنِ سرخ ترا
وائے ناکامی کہ عاشق کو ترے موت آئی / قابلِ بوسہ بنا جب دہنِ سرخ ترا
آتشِ تیز میں ٹھہرا ہے کہیں یوں بھی سپند / کہہ رہا ہے یہی خالِ ذقنِ سرخ ترا

مصحفی خوش ہو کہ مانگیگا ترے قاتل سے
خونبہا روزِ قیامت کفنِ سرخ ترا

کیسہ مالی سے ہوا گل بدنِ سرخ ترا / طالبِ آب نہو کیوں چمنِ سرخ ترا
یہی پوشاک کا ہے رنگ تو لے گل ہوگا / تشنۂ خونِ چمن پیرہنِ سرخ ترا
مجھسے انکارِ ستم، فائدہ ای گرگِ فلک / دال ہے بچہ خوری پر دہنِ سرخ ترا
کاش اے کشتہ تو محشر میں اٹھے ہو کے فقیر / گیرو امٹی میں ہو یہ کفنِ سرخ ترا
لبِ پانخوردہ کی اس گل کے جو سرخی دیکھی / رنگ اڑ جائیگا اے ناردنِ سرخ ترا
سر یہ تابش میں تو رکھے تو دلِ عاشق میں / آگ بھڑکائے نکیوں بادزنِ سرخ ترا

مصحفی چاہیئے کیا اس کو دلیلِ قاطع
سینہ ہے خود بتخلص سخنِ سرخ ترا

اک تو تھا آتشِ سوزاں بدنِ سرخ ترا / شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہنِ سرخ ترا
پان کھانے کی ادا یہ ہے تو اک عالم کو / خوں رلائے گا مرجاں دہنِ سرخ ترا
گوئے خورشید شفق رنگ کو دیتا ہے فشار / پنجۂ رشک سے سیبِ ذقنِ سرخ ترا

شمع گا گلوں غم پروانہ میں اتنامت رو
طشت آتش تو بنا ہے لگن سرخ ترا

سرخ عیار سے تو کم نہیں اے دزدِ حنا
کف رنگین بتاں ہے دہن سرخ ترا

تو اگر نافۂ آہو ہے تو اے عقدۂ زلف
ہے وہ رخسارۂ رنگین ختن سرخ ترا

اسکے موباف سے بھی شانہ نے شب پوچھا تھا
دام شبرنگ ہے کیوں آہرن سرخ ترا

مصحفی زخم ہے تیشے کا ترے ہر مو پر
نام ہم کیوں نہ رکھیں کوہکن سرخ ترا

رنگ پاں سے جو ہوا گل دہن سرخ ترا
مر گئی دیکھ کے بلبل دہن سرخ ترا

پان کھا کر جو مسی زیب کئے دونوں لب
بن گیا مزرعِ سنبل دہن سرخ ترا

سرخ تو تھا ہی وے اور ہوا گلناری
پی کے اے گل قدح مل دہن سرخ ترا

تب ہو عاشق کی شب وصل تسلی اے گل
مصرف بوسہ ہو جب گل دہن سرخ ترا

غنچہ ساں وا نہ ہوا عالم مے نوشی میں
سنکے شیشے کی بھی قلقل دہن سرخ ترا

شانہ کرتے جو سرِ جعد تو دانتوں میں رکھے
ہو نہ خونخوارہ کاکل دہن سرخ ترا

تیغ مریخ پہ چھپتی ہے ہوائی ایک
کہیں دیکھا تھا سرِ پل دہن سرخ ترا

مصحفی تو نے جو اس گل کے لیے ہیں بوسے
رشک سے دیکھے ہے بلبل دہن سرخ ترا

ہے کاروان رفتہ فراموش نقش پا
بانگ جرس کو سن نہ سکے گوش نقش پا

افتادگان وادی غربت کی سرگذشت
کرتا ہے خود بیاں لبِ خاموش نقش پا

بچکے کفک سے تا نہ ہوا اُسکے ہمکنار
نکلی نہ دل سے حسرتِ آغوشِ نقشِ پا

اک ناز سے جب اُسنے زمیں پر قدم رکھا
سو منتیں رکھیں بسرِ دوشِ نقشِ پا

میں ناتواں زمیں پہ قدم کیا رکھوں کہ ہے
ہستی مری گراں بسرِ دوشِ نقشِ پا

تربت پہ میری بھول سکے رکھا تھا اسنے پانوں
اب تک دعا میں ہیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

روندھن میں ہم تو ہو گئے پامال مصحفیؔ
از بسکہ اُس گلی میں ہوا جوشِ نقشِ پا

سرِ شام اُسنے منہ سے جو رخِ نقاب اُلٹا
نہ غروب ہونے پایا وہیں آفتاب اُلٹا

جو پھرا کے اُسنے منہ کو بقفا نقاب اُلٹا
اِدھر آسمان اُلٹا اُدھر آفتاب اُلٹا

جو کسی نے قیس و لیلیٰ کی اُسے لا دی مصور
نہ حیا کے مارے اُسنے ورقِ کتاب اُلٹا

مہِ چاردہ کا عالم میں دکھاؤں گا فلک کو
اگر اُسنے پردہ منہ سے شبِ ماہتاب اُلٹا

کسی مست کی لگی ہے مگر اُسکے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہے میکدے میں قدحِ شراب اُلٹا

جو خیال میں کسی کے شبِ ہجر سو گیا ہو
نہ ہو صبح کو الٰہی کبھی اسکا خواب اُلٹا

میں عجب یہ رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

سرِ لوح اُسکی صورت کہیں لکھ گیا تھا مانی
اُسے دیکھ کر نہ میں نے ورقِ کتاب اُلٹا

نہیں جائے شکوہ اس سے مجھے مصحفیؔ ہمیشہ
کہ زمانے کا رہا ہے یونہی انقلاب اُلٹا

خیالِ یار جو شب میرا ہمکنار رہا
تمام شب میں اُسی کے گلے کا ہار رہا

فغان بانگ جرس تھی نہ ایسی درد آمیز
فغانے قافلہ کوئی تو بیقرار رہا

کبھی جو یوں بھی ملو تم تو مہربانی ہے
غرض وہ وصل کا وعدہ تو درکنار رہا

کسی کے غم کی لگے ہم خوشامدیں کرنے
جہاں میں جب نہ کوئی اپنا غمگسار رہا

ہمارے ہاتھ میں آئے کبھی نہ یا قسمت
کہ پاؤں پر ترے مہندی کا اختیار رہا

ملے نہ آکے کبھی مصحفی سے تم افسوس
امیدوار تمھارا امیدوار رہا

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

یہ زمانہ وہ ہے جس میں ہیں بزرگ خورد بننے
انھیں فرض ہوگیا ہے گلۂ حیات کرنا

تھا اگر روز قیامت بھی تو ہم شاداں رہے
وہ جو اک دن اسکے ملنے کا مقرر ہوگیا

نہ تعظیم مسیحا کو بھی جو بیمار اٹھ بیٹھا
ترے آتے ہی آنکھیں کھول کر اکبار اٹھ بیٹھا

ترے بیمار پر طاقت کی تہمت کی انھوں نے
سہارے سے پکڑ کر گر ذرا دیوار اٹھ بیٹھا

لئے گر خواب میں بھی اُسکے بوسے میں نے سوتے سے
پھرا کر منھ وہیں وہ آتشیں رخسار اٹھ بیٹھا

ہوا نے رات دروازے کی یہ صورت رکھی جس سے
تصور میں ترے شب کو میں سو سو بار اٹھ بیٹھا

سحر ہوتے ہی جو قاصد کا جانا اسکو یاد آیا
تو خط لکھنے کو شب سے مصحفی زار اٹھ بیٹھا

دیر تک اپنے شہیدوں پہ نظر کرتا تھا
سرسری تم کو نہ مقتل سے گذر کرنا تھا

گر لبِ جام کے شایستہ نہ تھا اے قاتل
لبِ خنجر تو مرے خون سے تر کرنا تھا

صورت بادِ صبا ہر طرف آوارہ ہوں
میری قسمت میں مگر خاک بسر کرنا تھا

بلبلِ خوش صفیر ہوں گلشنِ روزگار کا
مجھ میں نشید خواں نہیں زمزمۂ بہار کا

سلسلہ اک نظر پڑا موج ہوا کے پاؤں میں
پیچ جو کھل گیا کبھی سنبلِ تابدار کا

لالہ ہوا بروئے خاک رنگِ شفق بر آسماں
خون کہاں کہاں گرا زخمِ دلِ فگار کا

تیغ لیے کھڑے ہو کیوں ہاتھ میں اب ہے کیا عَلَم
کام تو ہو چکا تمام مصحفیِ نزار کا

ہے ہے ترا سر جھکا کے چلنا
پھر شرم سے مسکرا کے چلنا

آنا گھر میں تو کھل کھلانا
اور راہ میں منہ بنا کے چلنا

نیچی نظروں سے دیکھنا ہائے
اور اُس پہ نظر بچا کے چلنا

اُسنے ہو جو خاکِ مصحفی پر
دامن کو ذرا اُٹھا کے چلنا

کہوں کیا ہجر میں صبر و شکیبائی پہ کیا گذرا
گئی طاقت کدھر تن کی توانائی پہ کیا گذرا

تری زلفوں کی رعنائی جو دیکھی صحنِ گلشن میں
کہوں کیا طرۂ سنبل کی رعنائی پہ کیا گذرا

نہ پوچھا تفرقے میں مصحفی اتنا بھی کافر نے
کہ اُس عزلت نشینِ کنجِ تنہائی پہ کیا گذرا

یاس سے لب تک ہی آہِ سرد لا کر رہ گیا
دل ہی دل میں خونِ دل کا جوش کھا کر رہ گیا

بعد مدت کے ملا مجھسے جو وہ آئینہ رو
میں بھی کیا اُس کی طرف آنکھیں ملا کر رہ گیا

نجد میں پہونچا جو پیا مجنوں کے سر پر وقتِ نزع
دل کی جانب کچھ اشارے سے بتا کر رہ گیا

ساتھ سوتا اس کا یاد آیا جو مجھکو مصحفی
ہجر کی شب آہ کیسا تلملا کر رہ گیا

ساقی شراب لایا مطرب رباب لایا
مجھ پہ تو اک قیامت عہدِ شباب لایا

کتنا نہ تھا میں اے دل جانا نہ اُس گلی میں
آخر تو مجھ پہ آفت خانہ خراب لایا

آئینہ کیا کہ اُسنے تھپر چیب نظر کی
چہرے پر اپنے وہ بھی اک آب و تاب لایا

اک تیر میں جب اُسنے نشانا اُڑا دیا
اُسوقت چٹکیوں میں زمانا اُڑا دیا

کیوں سر کو پیٹتے نہ پھریں اُسکے آشنا
دریا کا بھی اب اُسنے نہانا اُڑا دیا

اُڑنے لگا جو باتوں میں ہم سے وہ مصحفی
ہم نے بھی اُسکے کوچے میں جانا اُڑا دیا

نگاہِ لطف کے کرتے ہی رنگ انجمن بگڑا
محبت میں تری ہمسے ہر اک اہلِ وطن بگڑا

کچھ اسکی وضع بگڑی کچھ ہے وہ پیماں شکن بگڑا
یہ سچ درج ہے تو دیکھو گے زمانہ کا چلن بگڑا

میں سمجھا گریہ نے تاثیر اسدم شمع مجلس کی
یہ موتی اشک کا جاتے ہوئے جیتا لگن بگڑا

جو چنگ نالہ کو ہمنے اُڑایا ہجر کی شب میں
کہینگے سب کہ تیرا کھیل اب چرخ کہن بگڑا

مکانِ تنگ میں پائی نہ جا کلک تخیل نے
بناسب خال و خط مانی سے اُسکا پر دہن بگڑا

کیا تاراج یوں پیری نے حسن نوجوانی کو
کہ وقت صبح آرائش کا ہو جیسے چمن بگڑا

کمالِ حسن خالق نے دیا ہے اُس پری رو کو
نہ چتون کج ہوئی اوسکی نہ گاتے میں دہن بگڑا

نہ مارے حق کسی کو کر کے مفلس وائے رسوائی
جہاں کوتہ ہوا کپڑا کفن کا وہ کفن بگڑا

بہت جس سے شکل کا فر شیریں بنائی تھی
اُسی تیشے سے پھر آخر کو کار کوہکن بگڑا

عجائب اور غرائب باتیں اب سننے میں آتی ہیں
خم نیلی ترا شاید کہ اے چرخ کہن بگڑا

ہمیشہ شعر کہنا کام تھا والا نژادوں کا
ہمیں تکلیف نظم شعر کی دینے سے کیا حاصل

سفیہوں نے دیا ہے دخل جب سے بس یہ فن بگڑا
زمانہ ہمسے ان روزوں ہے یاران وطن بگڑا

رہی سے اے مصحفی تا صبح اسکی اسپہ جھنجلاہٹ
بناتے میں جو مشاطہ سے شب خال ذقن بگڑا

ڈھونڈلاتے تو فلک خوار و پریشاں مجھسا
کعبہ و دیر میں ڈھونڈھے جو کوئی لیکر چراغ
عقل فعال اگر صرف قناعت ہو جائے

کوئی دنیا میں نہیں بے سر و ساماں مجھسا
تجھسا کافر نہ ملے اور مسلماں مجھسا
تو بھی پیدا نہ کرے گردش دوراں مجھسا

مصحفی گرچہ سبھی مرغ نواسنج ہیں خوب
باغ معنی میں نہیں لیک غزلخواں مجھسا

اس دلمیں تیرے ملنے کا ارمان رہگیا
سمجھے وہ مرغ خستہ مرے اضطراب کو
نازاں ہے اپنے حسن صفائی پہ آئینہ
آیا مکا بخیہ زخم۔ اپنے ہاتھ سے

یہ دل تڑپ تڑپ کے مری جان رہگیا
سینے میں جسکے ٹوٹ کے پیکان رہگیا
صورت کو تیری دیکھکے حیران رہگیا
ثابت جو کوئی تار گریبان رہگیا

دنیا سے ہم چلے گئے ناچار مصحفی
اک یادگار اپنا یہ دیوان رہ گیا

دن جوانی کے گئے موسم پیری آیا
تاب و طاقت رہے کیا خاک کہ اعضا کے تیئں

آبرو خواب ہے اب وقت حقیری آیا
حاکم ضعف سے فرمان تغیری آیا

سبق نالہ تو بلبل نے پڑھا مجھسے ولے ۔۔۔ نہ اُسے قاعدہ تازہ صفیری آیا

پیری میں ہوگیا یوں اس دل کا داغ ٹھنڈا ۔۔۔ جسطرح صبح ہوتے کردیں چراغ ٹھنڈا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا ۔۔۔ نزلہ سے ہو رہا ہے خود ہی دماغ ٹھنڈا

صرصر سے کم نہیں کچھ وہ تیغ تیز جسنے ۔۔۔ لاکھوں کا کردیا ہے دم میں چراغ ٹھنڈا

بلبل کے گرم نالے جب سے سنے ہیں اُسنے ۔۔۔ دیوار گلستاں پر بولے ہے زاغ ٹھنڈا

ق

گرمی کی رت ہے ساقی اور اشک بلبلاں نے ۔۔۔ چھڑکاؤ سے کیا ہے سب صحن باغ ٹھنڈا

ایسے میں اک صراحی شورے لگی منگا کر ۔۔۔ لبریز کرکے مجھکو بھر دے ایاغ ٹھنڈا

نہ پوچھ عشق میں صدمے اُٹھائے ہیں کیا کیا ۔۔۔ شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا

میں اُسکے حسن کے عالم کی کیا کروں تعریف ۔۔۔ نہ پوچھ مجھسے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

رات پردہ سے ذرا منہ جو کسو کا نکلا ۔۔۔ شعلہ سمجھا تھا اُسے میں پہ بھبھوکا نکلا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم ۔۔۔ تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

زلفیں جو منہ میں لیں تو کہا مار کھائے گا ۔۔۔ چومی بھویں تو بولا کہ تلوار کھائے گا

دامن ترا بنے گا گریبان عاشقاں ۔۔۔ گر یونہی ٹھوکریں دم رفتار کھائے گا

آئی زباں جو اپنی جنبش میں نزع کے دم ۔۔۔ تیرا ہی نام منہ سے بے اختیار نکلا

تہمت ہی مصحفی پر سیر چمن کی یارو ۔۔۔ کب گھر سے اپنے باہر وہ سوگوار نکلا

شب گھر سے جو سیٹی کی وہ آواز پہ نکلا ۔۔۔ نکلا تو وہ لیکن عجب انداز پہ نکلا

انگڑائی لیکے اپنا مجھپر خمار ڈالا ۔۔۔ کافر کی اک ادا نے بس مجھکو مار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بارِ گرانِ ہستی	یہ بوجھ ہم نے آخر سر سے اُتار ڈالا
اے مصحفی مدت سے غمِ عشقِ بتاں مین	مشغول ہین اِتنے کہ نہین ہم کو غم اپنا
درد و غم کو بھی ہے نصیبہ شرط	یہ بھی قسمت سوا نہین ملتا
زلفوں سے اسکی ہیں نے جسدن کہ ہاتھ دھویا	ابرِ سیاہ آکر تربت پہ میری رویا
شبِ ہجراں تھی ہیں تھا، اور تنہائی کا عالم تھا	غرض اس شب عجب اک بے سر و پائی کا عالم تھا
جب قسم کھانے لگا میں اختلاط غیر کی	دوڑ کر کافر نے میرے سر پہ قرآں رکھدیا
ہوگیا حلقۂ زنجیر اُسے کام نہنگ	پاؤں بیڑی سے نہ نکلا ترے زندانی کا
مجھکو شہید کرکے عجب ناز سے کہا	کمبخت کے لہو سے مرا ہاتھ بھر گیا
دیا فشار مرے دلکو عشق نے یا تنگ	کہ اسمیں خون تو کیا رنگ آرزو نہ رہا
کس زلفِ مشک فام کی بو تھی کہ باغ میں	ہر ایک غنچہ نافۂ عنبر شمیم تھا
میں اک دم چین سے کوچے میں اُس بت کے کہاں بیٹھا	کبھی اُٹھکر یہاں بیٹھا کبھی اُٹھکر وہاں بیٹھا
جی جائیگا رائگاں کسی کا	یوں کرتے ہیں امتحاں کسی کا
گرمی غیر کی باتیں نہ کیا کر مجھسے	مجھکو بھاتا نہیں ہر وقت جلانا تیرا
چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شبِ ہجر مجھے	یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا
عید کی شب کی رچی مہندی تھی ورنہ اُسکا ہاتھ	پنجۂ خورشید محشر سے بھی بیعت مانگتا
وقتِ خلوت وہ یہ کہتا ہے کہ میں کھدونگا	تو نے ہاتھوں سے مرے مُنہ کو اگر بند کیا
شانے نے زبس اُن کو اجارے میں لیا ہے	زلفوں کو تری ہاتھ لگانے نہیں دیتا

میں حسرتیں لیے از بس جہاں سے جاتا ہوں
جنازہ دوش پہ یاروں کے ہو گراں میرا

چاک ہو جائینگے لاکھوں کے گریباں ظالم
چاکِ پردہ سے نہ یوں ہاتھ دکھانا اپنا

مجھکو قامت کے تغافل ہی نے تو مارا ہے
روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا

یہ کہو مین جرأت سے نہیں اے مصحفی سحر بیان
میر و مرزا سے لڑا نے یہ غزل جاؤں گا

صحبت رہی یہ اس سے اپنی کہ ملتے جب
اُس نے جھکا دیں آنکھیں مینے حیا سے دیکھا

غیرت پہ باغبان کی تیور پڑین کہ ہمنے
سو بار گل کو ہنستے بادِ صبا سے دیکھا

اے مصحفی تو نہیں ہوتی ہے کرامت
دل پھیر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

اتنی ہے حیا تجھکو کہ افراطِ حیا سے
آنکھوں نے تری روئے حیا کو نہیں دیکھا

بے مجھے مطلب ہے تجھے اے شب تنہائی کیا
جا کہیں تو ہے مرے درپئے رسوائی کیا

ملنے میں کتنے گرم ہیں یہ ہائے دیکھنا
کشتہ ہوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا

تلوار کو کھینچ ہنس پڑا وہ
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

بیٹھے بیٹھے جو ہو گیا وہ کھڑا
اک ستارہ سا شب زمیں سے اُٹھا

کی ذرا آبِ دمِ شمشیر قاتل نے کمی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

اک ذرا دیکھیو اس رشکِ پری کا سونا
میں نے دیکھا نہیں اس بیخبری کا سونا

جو گستاخانہ میں کچھ اس سے بولا
وہیں تیغہ کسی ابرو نے تولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد
قفس میں از پئے بلبل ہنڈولا

لب اس گل کے ہیں جام بادہ لعل
مسی نے ان میں آکر زہر گھولا

یہ وہ گلشن ہے جس میں غم کے مارے	نسیم صبح سے کلی نے منہ نہ کھولا
مری پتلی نے اشک خیرہ سر کو	بنایا ہے ہتھیلی کا پھپھولا
کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ تو	ہم بھی سمجھتے ہیں یہ سناتے ہو ہمکو کیا
چھپ چھپ کے وہ گھر غیر کے مہمان گیا تھا	چوری کی نظر میں نے ہیں پہچان گیا تھا
کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہمسے	یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

اے مصحفی شاعر نہیں پورب میں ہوا میں
دلّی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا

ب

چھیڑ کر ہم کو جو دینے لگے گالی کیا خوب	آپ نے ہمسے بھی یہ چھیڑ نکالی کیا خوب
یار سے اب تم بھی لگے خونِ غریباں کرنے	ہاتھ میں تم نے بھی تلوار سنبھالی کیا خوب
دن کو تو نہیں کوئی ملاقات کی تقریب	منظور ہو ملنا تو ہے اک رات کی تقریب
حصے میں ہمارے بھی کبھی آؤ گے صاحب	یا یوں ہی الگ ہمسے چلے جاؤ گے صاحب
پوچھنے کیا ہو مصحفی کا نشاں	خاک میں وہ تو مل گیا صاحب
یہ حالت ہے کہ دل سینے میں گھبراتا ہے ہمو جب	طبیعت پر تکدر اپنی آ جاتا ہے ہمو جب
دلِ دیوانہ اس کی گالیاں کھاتا ہے ہمو جب	جو اسکے منہ میں آتا ہے سو کہہ جاتا ہے ہمو جب
گلی میں ان کی جاتا ہوں تو آگو ہے وہ کہتی ہیں	ہوا ہے اسکو کیا یہ کیوں یہاں آتا ہے ہمو جب
کوئی کیا مصحفی سے مصحفی کا درد دل پوچھے	کہ آنکھوں میں یہ آنسو ہی بھر آتا ہے ہمو جب

نہیں اے مصحفی گر مجسے لاگ سکے تصور کو — تو وہ راتوں کو میرے پاس کیوں آتا ہے مو جب

تشبیب قصیدہ ت نعت شریف

حنا سے ہے یہ تری سرخ از نگار انگشت — کہ ہو نہ پنجہ مژگاں کی زینہار انگشت

ضعیف اتنا ہوا ہوں کہ میرے ہاتھو میں — نہیں ہے پنجہ طاقت سے بھلہ وار انگشت

ہلال وبدر ہوں یکجا عرق فشانی کو — رکھے جبیں پہ جو تو کرکے تا بدار انگشت

فراقِ مو کمراں سے یہ میں ہوا باریک — کہ ہو گئیں حرفی سوزن صفت نزار انگشت

زبسکہ زشت ہے دنیا میں ہاتھ پھیلانا — رکھے ہے سمٹی ہوئی اپنی پشت خار انگشت

وہ جیب لگائے ہے فندق تو دیکھ دیکھ مجھے — رکھے ہے منھ میں تاسف سے روزگار انگشت

شمار داغ سے کب اتنی مجھکو فرصت ہے — کہ رکھ سکوں بسر چشم اشکبار انگشت

چند شعر کے بعد نعت کی طرف گریز کرتے ہیں

بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اُسکی — نکل گئی سپر مہ سے جسکی پار انگشت

محمدؐ عربی معجزوں کا جسکے کبھی — نہ کر سکے فلک پیر کی شمار انگشت

چمن میں اسکی رسالت کا جب کچھ آئی ہی ذکر — علم کرے ہے شہادت کی شاخسار انگشت

وظیفہ جسکا پڑھے ہے یہ دانہ شبنم — دُعا میں جسکی ہے کھولے ہوے چنار انگشت

اگر ہو مُہرہ گہوارہ سنگ فرش اُسکا — نہ چُوسے اپنی کبھی طفل شیرخوار انگشت

اُٹھا دے گر کف افسوس ملنے کی وہ رسم — نہ ہووے پھر کبھی انگشت سے دوچار انگشت

کرے جو وصف وہ اس تاج انبیا کے رقم — قلم کی جوں نئے نرگس ہو تا ہزار انگشت

اے زبانِ تیشہ کہہ کچھ کوہکن کی سرگزشت / یعنی، آخر کیا ہوئی اُس بے وطن کی سرگزشت

بدنام کیا میں نے عبث نامِ محبت / مجھسے نہوا کچھ بھی سرانجامِ محبت

اُس طائرِ وحشی کے نہ درپے ہو تو صیاد / جو چھوڑ کر آیا قفس و دامِ محبت

ش

گلی کو دوست کی سمجھا ہے اپنا کعبۂ دل / یہ مصحفی ہے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست

کوئی اُس مجلس میں ہرگز داغِ غم دیتا نہیں / شمع سے کہدو کہ تیری اشکباری ہے عبث

مسکراتا ہے ادھر غنچہ اُدھر ہنستا ہے گُل / اس چمن میں گریۂ ابرِ بہاری ہے عبث

ج

رکھتا ہوں میں تو ایک ترے غم کی احتیاج / کافر ہو جسکو ہو دلِ خرم کی احتیاج

ایک نالہ پہ ہے معاش اپنی / ہم غریبوں کی ہے یہی معراج

ح حطی

پہر تک میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف / بے اختیار لے گئی ہمکو یہ خوابِ صبح

سینے سے جلوہ گر ہے تری ابتدائے صبح / گل کھاتی ہے یا من گلو پہ غنائے صبح

ہنسنے تو تیرے عہد میں ہاں اے شبِ فراق / دیکھا نہ خواب میں بھی رخِ جانفزائے صبح

کھل جائے آنکھ گر تری شب سے تو بیخبر / قابل ہے سیر کے چمنِ دلکشائے صبح

ہستی سے درگزر جو تو چاہے ہے وصلِ دوست / جلوہ ہے آفتاب کا بعد از فنائے صبح

تقصیر وار گرچہ تمھارا رہے ہے مصحفی
پھر وہ نہیں کہ بھولے عہدِ وفائے صبح

خ

لباس پہنے ہے ہر دم وہ شوخ پر فن سرخ
یہ برگ گل نہیں، ہیں بلبلوں کے لخت جگر

اگر ہو نہ خون شہیداں سے اسکا دامن سرخ
قدم نہ رکھنا خیاباں میں اے صبا گستاخ

د

کہاں تلک پھریں اُڑتے اِدھر اُدھر صیاد
پھر اور کیا ہے سبب مرغ دل کی وحشت کا

تری ہی نذر ہیں اب لے غنیمت پر صیاد
نظر پڑا کوئی اے مصحفی مگر صیاد

ذ

مصحفی نام ہو دیوان کا ہاں ہیں تو سہی
ورق گل کی طرح چند پریشاں کاغذ

شوق سے لکھے اگر جانب جاناں کاغذ
ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کاغذ

گلے میں چاہیے کیا تجھکو سیمبر تعویذ
لٹکتے ہیں تری ہیکل کے تا کمر تعویذ

ر

یوں ہے یہ نقاب اس بت پیر کے منہ پر
جیسے ورق سادہ ہو تصویر کے منہ پر

پھر بھا جو گیا دل کو تو بس ہو گیا بیخود
منہ اپنا میں رکھکر تری تصویر کے منہ پر

کیا جانے کسے ذبح کئے آئی ہے کافر
ہے آج تو سرخی تری شمشیر کے منہ پر

عزت نہیں اس صید کی کچھ صید حرم میں
جو صید کہ آیا نہ ترے تیر کے منہ پر

اے مصحفی تو اور کہاں شعر کا دعویٰ
پھبتا ہے یہ انداز سخن میر کے منہ پر

ہوئی ہے بسکہ یہ فصل بہار دامنگیر
سمجھ کے رکھنا قدم دلجلوں کی تربت پر

چلیں چمن کو تو ہوتا ہے خار دامنگیر
مبادا ہو کوئی تیرا شرار دامنگیر

ہم کو ترساتے ہو تم کیوں یہ ادا دکھلا کر
منہ چھپایا نہ کرو مہر خدا دکھلا کر

پھر قیامت ہے جو وہ شوخ چھپالے منہ
اپنا دیدار ہیں روز جزا دکھلا کر

دل لے گئے آنکھوں میں یہ تدبیر لگا کر
آئے تھے جو کل سرمہ تسخیر لگا کر

منہ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ہی چلے گئے
آوارگان شوق کو منزل سے کیا خبر

شمع شب فراق بنے ہم تو مصحفی
ہم دل جلوں کو عیش کی محفل سے کیا خبر

نہ گیا کوئی عدم کو دل شاداں لیکر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت ارماں لیکر

جی ہی جی بیچ بہت شاد ہوا کرتی ہیں
تیرے عارض کی بلائیں تری مژگاں لیکر

کیا خطا مجھسے ہوئی رات کہ اس کافر کا
میں نے خود چھوڑ دیا ہاتھ میں داماں لیکر

باغ وہ دشت جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لیکر

طرفہ سوجھی یہ جنوں کی ترے دیوانے کو
راہ میں پھینکدئے خار مغیلاں لیکر

پردۂ خاک میں سو سو رہے جا کر افسوس
پردے رخسار پہ کیا کیا مہ تاباں لیکر

ابر کی طرح سے کردینگے زمانہ کو نہال
ہم جدھر جائیں گے یہ دیدۂ گریاں لیکر

پھر گئی سوئے اسیران قفس باد صبا
خبر آمد ایام بہاراں لیکر

تیغ پر تیغ جو دینے کی ہے خو قاتل کو
ساتھ آیا ہے بہم تیغ و نمکداں لیکر

مصحفی گوشہ عزلت کو سمجھ تخت شہی
کیا کرے گا تو عبث تخت سلیماں لیکر

تھا سرخ پوش وہ گل شاید چمن کے اندر
شعلہ سا شب پھرے تھا سرو و سمن کے اندر

شاید ہوئی نہین مری حاجت روا ہنوز
سوئے فلک دراز ہین دست دعا ہنوز

دیکھا تھا مصحفی نے کہین اُسکو ایکدن
پھرتا ہی ہر گلی مین وہ سر پیٹتا ہنوز

بیگانگی ہے اُس کی ملاقات میں ہنوز
واحسرتا کہ فرق ہے دن رات مین ہنوز

دیکھا تھا ایک دن کہیں اُس گل کو باغ میں
آوارۂ چمن ہے نسیم صبا ہنوز

آگیا خط پسر مو نہ گیا ناز ہنوز
ہے اُسی ڈھب پہ نگاہ غلط انداز ہنوز

ق

مصحفی لکھنؤ میں دلی سے
آیا طے کرکے راہِ دور و دراز

لیکن اس خاکمیں بھی اُسنے کہیں
کچھ نہ پایا بجز نشیب و فراز

(س مہملہ)

رشک معشوقی صیاد کا بندہ ہوں میں
جسنے نہ رکھا نہ قفس کو مرے گلزار کے پاس

کون آتا ہے عیادت کو دل زار کے پاس
لوگ سب جمع ہیں اس نرگس بیمار کے پاس

پیرایہ دینے کو حُسن کا اُسکی شبیہ کو
نقاش بول اٹھا کہ یہی اُسکا تھا لباس

(ش معجمہ)

انگارے دہکتے ہیں یہ سینہ میں ابتک
کس دن دیکھا شعلہ ہوئی سرکب آتش

جس آنکھ کو ہو روزن دیوار کی تلاش
پھر کیوں کرے وہ شاہد بازار کی تلاش

برق اُسکے دم گرم سے کسطرح بر آئے
ہو ہر نفس سرد کا جسکے لقب آتش

(ص ض)

پاس اپنے تو ای ہمدم ہی سیم نہ زر خالص
ہاں اشک صفا ہین یا خون جگر خالص

اب مصحفی مسجد سے میخانے میں آتا ہی
پیمانے میں اے ساقی مے لاکے تو بھر خالص

دیکھکر آئینہ میں کوئی بہار عارض
پیسا کی نظروں سے ہو تلبث نثار عارض

مصحفی محو ہوں کسکا کہ جو رہتی ہی سدا
پیسلی آنکھو نکی مری آئینہ دار عارض

ط

عیش کہاں کدھر نشاط کہتے ہیں کسکو انبساط
خواب و خیال ہو گیا ہمکو تو عیش اور نشاط

داغ جگر کو تازہ پھر کرتے ہیں، ہائے ہمنشیں
یاد جب آتے ہیں ہمیں اُسکے قدیم ارتباط
شب سے زیادہ مصحفی رہنے کا اسمیں کیا ہی لطف
دہر ہے اک کہن سرا چرخ ہے اک کہن رباط

ظ

ہوئے نہ وصل کی دولت سے ہم کبھی محفوظ
جو رفتہ رفتہ ہوا بھی تو مدعی محفوظ
گل اُسنے عکس کا اپنے جو لیلیا بوسہ
تو جی ہی جی میں ہوئی کیا ہی آرسی محفوظ

ع مہملہ

ترے کلام سے ہے نسبتی کو کیا نسبت
کہ تو بھی اپنی جگہ پر ہے مصحفی محفوظ

جن کے مکاں چمن میں وہ لوٹیں بہار شمع
ہم غمزدوں کی بزم میں کب ہو گزار شمع
ہے رشک مجھکو اُسکے نصیبوں پہ کیا کہوں
پروانہ کسطرح سے ہوا ہے نثار شمع
دیکھا تھا اُس کو پردۂ فانوس سے کہیں
تھمتی ذرا نہیں مژہ اشکبار شمع
پروانہ سر پٹک کے لگن ہی میں مرگیا
ایسے کہاں نصیب کہ ہو ہمکنار شمع

دیکھا ہے جب سے اُس مہ تاباں کو مصحفی
کچھ زرد ہو گیا ہے جبھی سے عذار شمع

غ

لپٹ کے چوم لیئے مینے اُسکے ہاتھ وہیں
جو اُسنے سر پہ مرے پیار سے لگائی تیغ
اُسے بھی سخت تمنائے سرخروئی تھی
بھلا ہوا کہ مرے خون میں نہائی تیغ
لخت لخت دل میں ہے عکس فروغ داغ عشق
کیوں نہیں اُسکو کہوں آئینہ خانے کا چراغ

ف

کون ایسا وہ تری تیغ کا کشتہ ہے جسے
ڈھونڈتی پھرتی ہے مقتل میں قضا چار طرف
مصحفی سنے جو نکالی یہ زمین تازہ
غلغلہ اُسکی فصاحت کا ہوا چار طرف

ق

زندگانی کا جو تھا چین وہ مطلق نہ رہا
تیرے جاتے ہی بس گیا میرے اوقات میں فرق

عکس کو اپنے وہ بت دیکھ کے آئینے میں
ہنس کے کہتا ہے کہ کیا تو بھی ہے مجھ پر عاشق

تازہ آفت تو ایک یہ ہے کہ ہم
ہوئے اک نوجوان پر عاشق

گ

دیکھا تھا ایک دن ترے طرزِ خرام کو
موجِ نسیمِ صبح سنبھلتی ہے آج تک

چہرے پہ نازکی سے ہے جوشِ شکستِ رنگ
یہ تازہ گل ہے لالہ فروشِ شکستِ رنگ

اتنا میں تنگ ضعف ہوا ہوں کہ مصحفی
ہستی مری گراں ہے بدوشِ شکستِ رنگ

ماتم میں آج کسکے ہوئی ہے سیاہ پوش
ہے نیلگوں جو اُس نگہ سرمہ سا کا رنگ

ل

ترسا نہ مجھکو کھینچ کے تلوار مار ڈال
گر مار ڈالنا ہے تو اکبار مار ڈال

مزا جب ہے کہ ہو چپکے ہی چپکے مدعا حاصل
کسی نے کر لیا معلوم رازِ دل تو کیا حاصل

کر دیا اُس کی کمر نے ہم کو بیمارِ خیال
بیٹھے بیٹھے ہو گئے ہیں ہم گرفتارِ خیال

تھا آپ ہی دیوان مرا نامۂ اعمال
کاہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال

م

جب واقفِ راہ و روشِ ناز ہوئے تم
عالم کے میاں خانہ برانداز ہوئے تم

نسبت تمھیں کیا تازہ نہالانِ چمن سے
اب نامِ خدا سرو سرافراز ہوئے تم

میں تم سے نہ بولوں گا کبھی اے لبِ بستہ
اُس بن پہ تبسم بھی اگر باز ہوئے تم

پہننے سے میاں جامۂ گلدوز کے بوہیں
طاؤس صفت اور بھی طناز ہوئے تم

اے مصحفی مرغانِ چمن رہ گئے خاموش
جب باغ میں جا زمزمہ پرداز ہوئے تم

کیا جانیے آجائے وہیں کیا مرے جی میں
بن ٹھن کے مرے سامنے آیا نہ کرو تم

صرف مشتاق ہیں اک تیری ملاقات کے ہم
آرزومند نہیں اور کسی بات کے ہم

سننے پائے نہ دہن سے ترے دشنام تمام
جنبش لب ہی نے اپنا تو کیا کام تمام

برق و سیماب نے کہاں پایا
اس دل بیقرار کا عالم

خاکساران دہر سے ہے جدا
آپ کے خاکسار کا عالم

کب لگ سکے جفا کو انکی وفائے عالم
ہے جسکا ہر کرشمہ صبر آزمائے عالم

کیا لطف عاشقی کا اب رہ گیا ہماری
ہاں آخر جوانی واں ابتدائے عالم

ایسے سے داد خواہی محشر میں اک ستم ہے
ہر ایک غمزہ جسکا ہو خونبہائے عالم

کب داد کو کسی کی نکلا وہ روئے دلکش
ہمنے تو اس کو پایا حسرت فزائے عالم

جب عالم حیا سے بیگانہ وہ نگہ تھی
پاتے تھے جب بھی اسکو ہم آشنائے عالم

اب تو ہیں مستغنی ہم پابند حادثے کے
دیکھیں ٹلے گی کسدن سر سے بلائے عالم

[illegible] دہلی

ترتیب صورت سے خطا [illegible]

ن

مخلوق ہوں یا خالق مخلوق نما ہوں
معلوم نہیں مجھکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں

ہوں شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردے میں چھپا ہوں

ہے مجھسے گریبان گل صبح معطر
میں عطر نسیم چمن سے باد صبا ہوں

گوش شنوا ہو تو مری رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ میں ساز حقیقت کی نوا ہوں

یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

ہستی کو مری ہستی عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست مگر ہستی عالم سے جدا ہوں

اے مصحفی شانیں ہیں مری جلوہ گری میں
ہر رنگ میں، میں مظہر آثار خدا ہوں

[illegible]

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت و خواری پہ روتا ہوں
میں تھا آزادہ رو اپنی گرفتاری پہ روتا ہوں

مجھے وقت وداع دوستداراں یاد آتا ہے
میں جب ناچار ہو کر اپنی ناچاری پہ روتا ہوں

زمانہ سیم و زر سے مصحفی ایسا تھا کب خالی
نہ اپنی مفلسی، عالم کی ناداری پہ روتا ہوں

پھول لالے کے نہ اس خاک سے جو نکلے ہیں
یہ مرے لخت جگر ہو کے بہم نکلے ہیں

ایسی آزردگی کیا تھی ہمیں اس کوچے میں
پھر نہ آنے کی جو ہم کھا کے قسم نکلے ہیں

جس بیابان خطرناک میں اپنا ہے گذر
مصحفی قافلے اس راہ سے کم نکلے ہیں

پیچ پر پیچ ہے اور بل پہ ہے بل چین پہ چین
کچھ نئی طرح سے اس زلف کے خم نکلے ہیں

خون ناحق ہے ترا نقش و نگار دامن
نہیں کچھ گل نہ کھلائے یہ بہار دامن

پاس خاطر ہے ضرور اس کی بھی اے دست جنوں
رشتہ رکھتا ہے گریبان سے تار دامن

لینا بزور بوسہ مرا دیکھنا تھا گل
اور ان کا منہ پھرا کے وہ کہنا نہیں نہیں

جھوٹ کیوں بولتے ہو مجھ سے کہ فرصت کم ہے
آؤ تو کیا تمہیں اک رات کا مقدور نہیں

کام کر جاتی ہیں تری آنکھیں
چپکے چپکے ہزار آنکھوں میں

حسد کی جا نہیں اے مصحفی کلام انکا
کہ اپنے عہد کے مرزا و میر [illegible]

[illegible]

رہے گنتے جو ہم تا صبح اسکی مانگ کے موتی / ہمیں تو وصل کی شب بھی کٹی اختر شماری میں
نہ ہو نومید لے دل وصل ہو اُسکے کہ عاشق کو / مزے ہیں سو طرح کے عالم امیدواری میں

قابو میں مرے آئے ہو تم وصل کی شب ہے / اب پیش نہ جائیں گی یہ انکار کی باتیں
پھٹ چکا جیب سے گریباں تب سے / ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
میں مرگیا ٹلی مری چھاتی کی سل کہیں / پیوند ہو زمیں کا الٰہی یہ دل کہیں

کھانے نہیں دیتے ہیں مجھے خونِ جگر بھی / نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہیں
اے مصحفی مت پوچھ کہ دلی سے نکلکر / کیا کہیے کہ ہم کتنے پشیمان ہوئے ہیں

بن دیکھے جسکے پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں / کیا قہر ہو جو اس سے برسوں جدائیاں ہوں
اے مصحفی تو ان کی ادا پر نہ جائیو / ظالم غضب کی ہوتی ہیں یہ دلی والیاں
خدا نے ہاتھ سے اپنے ترے سنوارے پاؤں / خوش آئیں کیونکر نہ مجھکو پیارے پیارے پاؤں

حسن اور عشق یار ہیں دونوں / روز و شب ہمکنار ہیں دونوں
چشم بد دور تیری چشم سیاہ / آفتِ روزگار ہیں دونوں
تیرے تیر نگہ کے اے صیاد / دیدہ و دل شکار ہیں دونوں
جا کے نلخال پا ہوئے تھے جو رات / میرے شانے فگار ہیں دونوں
جیب و دامن کا میرے حال نہ پوچھ / ان دنوں تار تار ہیں دونوں
کوئی سمجھے تو مصحفی و قتیل / شعر میں یادگار ہیں دونوں

چاہنے والے تری میر سوا اور بھی ہیں / اک نہیں میں ہی گرفتارِ بلا اور بھی ہیں
جیسے گل تو نے دیئے تھے مجھے لاکر ویسے / پھول اس باغ میں اے بادِ صبا اور بھی ہیں

و

مرتا ہے کوئی پھر کے نظر دیکھتے جاؤ
جاتے ہو کدھر ٹک تو ادھر دیکھتے جاؤ

خاک میں ملگئے ہم ناز کا چلنا دیکھو
اس کی ٹھوکر سے وہ دامن کا اچھلنا دیکھو

کس پر ہے یہ تلوار سجی پھر کے تو دیکھو
کس پر ہے یہ ابرو کی کجی پھر کے تو دیکھو

ہے ہے ذرا ادھر کو اجی پھر کے دیکھ لو
اک ناتواں کا جاتا ہے جی پھر کے دیکھ لو

تم مصحفی کو چھوڑ کے بسمل چلے گئے
رخصت حیا نے اتنی نہ دی پھر کے دیکھ لو

لیا نہ بوسہ ترا پر یہ ہمنے کام کیا
کہ سوتے میں ترے منہ سے لگا گئے منہ کو

بھولے سے میں جنت کا کہیں نام لیا تھا
اس ننگ سے دوزخ بھی جلاتا نہیں مجھکو

عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل
وہ کام بتاتے ہو جو آتا نہیں مجھکو

بات پر میری الگ ہو کے نہ شرماؤ سنو
کچھ کہا چاہتا ہوں تمسے ادھر آؤ سنو

روٹھ کر بیٹھ رہوں میں وہ منانے آئیں
کاش اتنا مجھے مقدور شکیبائی ہو

رہنے دو مرے سینے میں پیکاں کو نہ چھیڑو
از بہر خدا ناوک جاناں کو نہ چھیڑو

یہ وہ نہیں ناسور کہ ہو بند کسی سے
رہنے دو مرے دیدۂ گریاں کو نہ چھیڑو

سخت مشکل ہے کہ اس ناوک مژگاں کے حضور
چاہیے روز نیا سینہ سپر کرنے کو

بہار گل کی خوبی ہم دل افگاروں سے مت پوچھو
مزا گلگشت کا گلشن کے بیماروں سے مت پوچھو

مزا جی جانتا ہے یا میں جانوں ہوں وہ کیا جانیں
جو غم گذری ہیں مجھپر میرے غمخواروں سے مت پوچھو

ں

نہ شریعت نہ طریقت نہ حقیقت نہ مجاز
کون کافر مجھے کہتا ہے مسلمان ہی یہ

میرے آگے نہ دیکھ آئینہ
میری حسرت بھری نظر کو دیکھ

ی

ایکدن رو کے نکالی تھی وہاں کلفت دل
آجتک دامن صحرا ہے غبار آلودہ

وہ پیچھے پھر کے جو دیکھے ہے اپنی چوٹی کو
لگے ہے ہائے یہ کیسی بلا ہے میرے ساتھ

جان ہونٹوں پہ آئی آہ کے ساتھ
خون آنے لگا نگاہ کے ساتھ

صیاد نہ رکھ قید مجھے کنج قفس میں
میں صید زبوں ہوں مری بے بال و پری دیکھ

لالے کے خیاباں میں یوں یاد رکھ اپنا
یہ خون شہیداں ہے نسیم سحری دیکھ

یا رب باغ سے ہم آتے ہیں دکھ پائے ہوئے
اشک آنکھوں میں بھرے ہاتھ میں گل کھائے ہوئے

آنکھ سیدھی نہیں کرتا کہ مقابل ہو نگاہ
آرسی ناز سے دیکھے ہے وہ شرمائے ہوئے

کسکے آنے کی خبر ہے کہ چمن میں گلچیں
جوں صبا چار طرف پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

ہم ترستے ہیں تری اک نگہ دور کو بھی
بخت اُنکے ہیں جو ہر دم ترے ہمسائے ہوئے

مصحفی کیوں کہ عناں گیر ہو اُسکا جوں برق
توسن ناز کو جب جائے وہ چمکائے ہوئے

کیوں عہد وفا اُس بت سفاک سے باندھے
سر کاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے

جاؤں جو حرم میں تو مری آہ کا شعلہ
قندیل ستون حرم پاک سے باندھے

چسپیدگی دل سے عجب کیا ہے جو عاشق
تیرا دم خنجر جگر چاک سے باندھے

ہم سجدہ ادا کر چکے اب سر کو ہمارے
نیزے پہ رکھے خواہ وہ فتراک سے باندھے

اے مصحفی شاعر وہ ہے جو ایسی زمیں میں
مضمون نئے قوت ادراک سے باندھے

کیا کیا نہ غزال ختنی مصحفی میں نے
اس دشت میں تار نظر پاک سے باندھے

ڈرتی نہیں وہ چشم سیہ زاری دل سے
دن رات اُسے کام ہے خونخواری دل سے

اک داغ نیا ہر بُن مُو پر ہے نمایاں
یہ پھول چُنے ہمنے شرر باری دل سے

اُٹھ گیا ہے وہ ستم دیدہ کہیں مدت سے
دل کی کچھ خیر خبر مجھکو نہیں مدت سے

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے اک مجھپر عذاب آتا ہے

قاصد اُس کوچے سے پھرنے کا نہیں ای ہمدم
جھوٹ کہتا ہے کہ نامے کا جواب آتا ہے

فرصتِ وقت غنیمت ہے کہ ای دل وہ شوخ
آج اس راہ سے پھر مست شراب آتا ہے

سر ٹپکتا ہوں میں تیرے لیے دیوار و در سے
چین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے

مصحفی کے بھی کچھ احوال کی ہے تجھکو خبر
روز اس کوچے میں با چشم پُر آب آتا ہے

دامن کی اک جھپک نے مدہوش کر دیا ہے
مثل چراغ ہم کو خاموش کر دیا ہے

باتوں نے اُسکی ہمکو خاموش کر دیا ہے
آگے زباں تھے لیکن اب گوش کر دیا ہے

جب یاد قد میں تیری کھینچا ہے ہمنے نالہ
سرو چمن سے اُسکو ہمدوش کر دیا ہے

کون آیا ہے نہانے لطف بدن نے کسکے
لہروں سے سارا دریا آغوش کر دیا ہے

نوبت سخن کی ہم تک جب آئی ہے ادب نے
خاموش کہکے سب کو خاموش کر دیا ہے

مجلس میں مصحفی کی آیا ہے جو بدعوے
بس اک قدح میں اسکو بیہوش کر دیا ہے

آغاز صبح ہجر کا انجام دور ہے
اے دیدہ اور رو کہ ابھی شام دور ہے

مے پی چکوں تو دیکھے بدمستیاں مری
ساقی ابھی تو لب سے مرے جام دور ہے

اک دم میں بھلائے سب دکھ درد زمانے کے
صدقے میں گیا تیرے اس آنکھ لڑانے کے

اس آنے میں جانے میں کیا ناز نکلتا ہے
صدقے ترے آئینے کے قرباں ترے جانے کے

عاشق کو اپنے منع محبت نہ کیجیے
یہ بھی نہ کیجیے تو مروت نہ کیجیے

آپ اس ادا سے پانوں نہ رکھیں زمین پر
میری تو کیا ہے شہر کو غارت نہ کیجیے

منظور اگر تمھیں بھی تماشائے خلق ہے
وابستہ اک نظر کی تمنائے خلق ہے

افسوس ہے نہ جانے تو اُسکی ہی قدر کو
جو شخص تیرے واسطے رُسوائے خلق ہے

کسطرح کوئی چین سے بیٹھے کہ رات دن
دورِ سپہر درپئے ایذائے خلق ہے

میر اگناہ کیا ہے کہ مجھ بے گناہ پر
عالم سمٹ کے آیا ہی دعوائے خلق ہے

معنی طلب کی صورتِ خالق پہ ہی نظر
صورت پرست محوِ تماشائے خلق ہے

مَیں ہوں وہ خاکِ راہ کہ کوچے میں یار کے
مرا سرِ شکستہ ہے اور پائے خلق ہے

کچھ شعروشاعری سے نہیں مجھکو فائدہ
اِلّاحصول کا دسترس بیجائے خلق ہے

چل تو بھی مصحفیؔ کہ وہ نکلے ہیں بزم سے
ہے بارِ عام نوبتِ مجرائے خلق ہے

کیفیت کیا کہوں اس گریہ کی طغیانی کی
کشتی نوح اسی گریے نے طوفانی کی

خوشے خوشے مری مژگاں سے گرے ہو دانے
دانۂ اشک نے اس سال فراوانی کی

نوبہار آنے سے سودائے جنوں تازہ ہوا
سبزہ کی موج نے پھر سلسلہ جنبانی کی

مصحفیؔ دو دل میں جہاں ریختہ گوئی کو رواج
قدر شیرازی کی ہو واں نہ صفاہانی کی

ا... غارت نہ دہ رہرو کہ نمودار ہی صادق میری صورت سے حقیقت مری ویرانی کی
محو ہر دم جو رہے اپنی ہی آرائش میں اُس کو کیا فکر مری بے سروسامانی کی۔

کرتے نہیں جو داد تو بیداد کیجیے
یعنی کسیطرح تو ہمیں یاد کیجیے

تقریب کو سنی ہے ہمارے نشاط کی
اس دل کسطرح سے بھلا شاد کیجیے

اڑنے کے بال و پر ہیں کہاں مصحفی مگر
اب پھر سراغ خانۂ صیاد کیجیے

تم رات وعدہ کرکے جو ہمسے چلے گئے
پھر جب سے خواب میں بھی نہ آئے بھلے گئے

آتش میں عشق و شوق کی مانندِ چوبِ خشک
جب تک کسی نے ہمکو جلایا جلے گئے

وعدہ تھا پشت بام پر اُس مہ کا نیمروز
ہم ناتمام بھول گئے دن ڈھلے گئے

رکھتا تھا مصحفی تو بہت شوقِ کوئے یار
ہم ساتھ اپنے آپ ہی اُسکو نہ لے گئے

سچ ہے جی عشق کا بیمار بُرا ہوتا ہے
دل کا آزار ہی آزار بُرا ہوتا ہے

جی ہی لیجاتا ہے فریاد و فغاں کر کرکے
دامِ اُلفت کا گرفتار بُرا ہوتا ہے

جسنے دیکھا تجھے قبضے پہ دھرے ہاتھ کہا
ہائے اس وضع کا خونخوار بُرا ہوتا ہے

اسکا پینا نہیں مقدور ہر اک کا ساقی
عشق کا ساغرِ سرشار بُرا ہوتا ہے

آپ کو مار ہی مرتا ہے یہ دیکھا ہے بہت
مصحفی عاشقِ ناچار بُرا ہوتا ہے

بادل جو گھرا ہوا کھڑا ہے
آنسو بھی تُلا ہوا کھڑا ہے

حیران ہے کسکا جو سمندر
مدت سے رُکا ہوا کھڑا ہے

ہے موسمِ گل چمن میں ہر نخل
پھولوں سے لدا ہوا کھڑا ہے

شمشاد برابر اوسکے قد کے
وحشت سے بچا کھڑا ہوا ہے

خونیں کفن شہید الفت
دولھا سا بنا کھڑا ہوا ہے

تیرا ہی ہے انتظار لیلی
ناقہ تو کسا ہوا کھڑا ہوا ہے

اے جان نکل کہ مصحفی کا
اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

برق رخسار یار پھر چمکی
اس چمن کی بہار پھر چمکی

میرے گریہ سے آب و تاب آئی
صورت روزگار پھر چمکی

دیکھنا پانوں رکھدیا کسنے
آج کیوں نوک خار پھر چمکی

کون اس باغ سے اے باد صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

دل کے دھڑکونکا یہ عالم ہے کہ بدست منت
پرزے ہو ہو کے گریبان اڑا جاتا ہے

گئے وہ دن کہ تمنا ہمیں اک اشک کی تھی
اب تو ان آنکھوں سے دریا سا بہا جاتا ہے

ہے تمھیں روز سیہ کس کو دکھانا منظور
کاجل آنکھوں میں دو وقتی جو دیا جاتا ہے

مصحفی عشق کے وادی میں گذر ہے کسکا
بھولا بھٹکا کوئی آتا ہے تو آجاتا ہے

دیکھنا کسکا یہاں وہ تک بھی آنا منع ہے
روزن دیوار سے آنکھیں ملانا منع ہے

سینے میں سوزش ہے اور ضبط فغاں کا حکم ہے
آگ گھر میں لگ رہی ہے اور بجھانا منع ہے

راز دل کا پوچھتے ہیں بولنے دیتے نہیں
بات منھ پر آچکی ہے لب ہلانا منع ہے

بیٹھکر بالیں پہ میرے تو نہ رو اے رشکِ شمع
سامنے بیمار کے آنسو بہانا منع ہے

طاقِ ابرو پر نہ رکھوا دل لگا نے میں جی تیر
کیونکہ قبلے کیطرف رکھنا نشانا منع ہے

سادگی پر جسکی جی لوٹے ہے اپنا مصحفی
ہائے اُسکو اب تلک مستی لگانا منع ہے

محبت تو آشیانِ بلبل کا اے صیاد لوٹے ہے
کوئی یوں بھی کسیکا خانۂ آباد لوٹے ہے

خزاں کے ہاتھ سے یوں گل لٹا ہوگا نہ گلشن میں
فلک جسطرح سے کرکے ہمیں برباد لوٹے ہے

پھنسا ہو جسکا دل گلشن میں کیا ذوقِ قفس سمجھے
گرفتاری کی لذت طائرِ آزاد لوٹے ہے

کلہ پوشوں نے یوں غارت کیا اس کشورِ دل کو
کہ جیسے فوجِ شہ آکر جہاں آباد لوٹے ہے

خبر خسرو کو کیا ہے مصحفی وہ وصل میں خوش ہے
کہ کیا کیا ہجرِ شیریں میں مزے فرہاد لوٹے ہے

میں وہ نہیں ہوں کہ اُس بت سے دل مرا پھر جائے
پھر دل میں اُس سے تو مجھسے مرا خدا پھر جائے

جو دیکھتا ہے مرا حالِ زار کہتا ہے
خدا کرے کہیں اُس سے دل ترا پھر جائے

اگر میں رونے پہ آؤں برنگِ ابرِ بہار
ابھی زمانے کی اے دوستو ہوا پھر جائے

ذرا جواب تو دے اُٹھکے اپنے سائل کو
یہ بے نصیب ترے آستاں سے کیا پھر جائے

نہ پلٹے تیغ تری سر سے تیرے عاشق کے
یہ بات اور ہے آئی ہوئی قضا پھر جائے

وہ آفتاب جو آئے نکل کے اُسکی طرف
خود آفتاب گل آفتاب سا پھر جائے

دیا ہے مجھکو یہ برگشتہ طالعی نے اثر
کہ آکے سر پہ مرے سایۂ ہما پھر جائے

بکھیر دے جو وہ زلفوں کو اپنی مکھڑے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے

پکارتا ہے تجھے مصحفی جواب تو دے
کھڑا رہے یہ ترے آستاں پہ یا پھر جائے

عدو سے ملتے ہو اور ہم سے بیوفائی ہے
یہ کون شیوہ ہے کیا رسمِ آشنائی ہے
ہزاروں مومن و کافر سجود میں ہیں یاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ہے
دیکھ اُسکو اک آہ ہم نے کر لی
حسرت سے نگاہ ہم نے کر لی
جب اُس نے چلائی تیغ ہم پر
ہاتھوں کی پناہ ہم نے کر لی
نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی
کیا جانے کوئی کہ گھر میں بیٹھے
اُس شوخ سے راہ ہم نے کر لی

دی ضبط میں جب کہ مصحفی جان
شرم اُسکی گواہ ہم نے کر لی

لافِ گرمی ترے عارض سے جو گلشن مارے
آتشِ گل پہ صبا طپش سے دامن مارے
دشمن و دوست کو الفت نے تری ایک کیا
ہاتھ پر ہاتھ نہ کیوں شیخ و برہمن مارے
تری آنکھیں ہیں وہ رہزن کہ جنھوں نے کافر
قافلے لوٹ لیے سیکڑوں رہزن مارے
کیا ہی خوش حال ہیں انکا جو تری کوچے میں
خاک پنڈے سے ملے بیٹھے ہیں آسن مارے

جانے کا نہ بے نام کہ مر جائیگا کوئی
بیدرد ابھی جی سے گذر جائیگا کوئی
دھمکاتا ہے کیا تیغ و سپر باندھکے قاتل
ایسا تری ان باتوں سے ڈر جائیگا کوئی

لکھ بھیجینگے احباب کو ہم حالِ دل اپنا
دلّی کیطرف قاصد اگر جائے کا کوئی

گل و نسرین و سنبل میں سبھی نازک تر از نازک
نہ تنہا اس چمن کی نرگسِ بیمار نازک ہے

نزاکت عاشق و معشوق کی یکساں نہیں ہوتی
مری گفتار نازک ہی تری رفتار نازک ہی

نہیں تشبیہ دیسکتے ہم اسکو رشتۂ جاں سی
بہت اے مصحفی موی میانِ یار نازک ہی

جب خوں میں سب نوک ترے تیر کی بھرتی
تب زخم سے نیت ترے خنجر کی بھرتی

کرتے نہ ورم پانوں جو دیوانے کے تیرے
آغوش نہ یوں حلقۂ زنجیر کی بھرتی

گھبرا نہ لگا زخم مرے لطف تو جب تھا
جب پشت بھی خوں سے تری شمشیر کی بھرتی

اے مصحفی باقی نہیں اب قافیہ کوئی
آگے جو کہے کوئی تو خوگیر کی بھرتی

خطرہ ہے مجھے اس دلِ کمبخت کی خو سی
ڈرتا ہوں کہ ہو جائے محبت نہ کسو سے

سیری اسے ہوتی ہی نہیں رونے کو سی
عاجز ہوں بہت دیدۂ کمبخت کی خو سے

کافر کو کبھی میل نہ ہو جانبِ مصحف
زلفِ سیہ یار پرے رہتی ہی رو سے

ساقی کا مرے حال سی گر ہی یہ تغافل
سر اپنا میں دے مارونگا اک روز سبو سے

ٹپکی جو کبھی ہاتھ سے شیشہ سے گلابی
مجلس میں ہو شیشۂ دل چور بہت سے

بوسہ تو ہے کیا چیز جو بت چاہیں تو انہیں
ہیں اسکے سوا اور بھی مقدور بہت سے

خالی ہی چلے آتے ہیں ہم صحنِ چمن سے
داماں میں کچھ ہے نہ گریباں میں کچھ ہے

اے مصحفی مرنے کی مرے سنکے وہ بولا
کیا لگتا ہے مر جانے کو انسان میں کچھ ہے

یا آئے مراد دل کسی عنوان ٹھکانے
یا اس غم فرقت میں لگے جان ٹھکانے

اک تیغ کے لگتے ہی لگی جان ٹھکانے
اچھا تو ہے لگ جائے جو انسان ٹھکانے

ناکام پھرا واں سے تو قاصد نے کہا یوں
یہ خط نہیں لگتا کسی عنوان ٹھکانے

اے دستِ جنوں تیری مدد ہو تو امیدم
اک جھٹکے میں لگتا ہے گریباں ٹھکانے

وہ نخل حنا ہوں کہ جو سر بھی مرا کٹ جائے
خوں دست بدست اپنا حسینوں ہی میں بٹ جائے

مژگاں وہ ستم تیرِ قضا جن پہ ہو قرباں
آنکھیں وہ بلا جن سے دم آہو کا اُلٹ جائے

پھر چاندنی کا لطف ہوا اور بھی دوچند
اک چاندنی بھی جبکہ شب ماہ کھنچ گئی

شب مصحفی سے دیکھ کے تجھکو کھنچا ہوا
ابرو بھی تیری اے بت گمراہ کھنچ گئی

خاموش ہیں ارسطو و فلاطوں مرے آگے
دعویٰ نہیں کرتا کوئی موزوں مرے آگے

باندھے ہوئے ہاتھوں کو بامید اجابت
رہتے ہیں کھڑے سیکڑوں مضموں مرے آگے

سب خوشہ ربا ہیں مرے خرمن کے یہاں ہیں
کیا شعر پڑھیگا کوئی موزوں مرے آگے

استاد ہوں میں مصحفی حکمت کے بھی فن میں
بے کود کب تو درس فلاطوں مرے آگے

ہم گئے جان سے اور آپ نہ گھر سے نکلے
اور نکلے تو خدا جانے کدھر سے نکلے

لے کے خنجر جو کیا چاک جگر اُسنے مرا
ٹکڑے الماس کے دو چار جگر سے نکلے

او دامن اُٹھا کے جانیوالے
ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھا لے

فراغت میں بتوں کی صورت دلخواہ یاد آئی
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آئے

کب اسطرف وہ بت کجکلاہ آتا ہے
گدا کے گھر بھی کہیں بادشاہ آتا ہے

جب جاتے جاتے اُسنے پردہ اُٹھادیا ہی
ہر لحظہ اُسکی چوٹی دل مانگتی ہے مجھسے

نہ دوستی نہ محبت نہ دلبری دیکھی
غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی

رکھ کے ہم زانو پہ جسوقت کہ سر بیٹھ گئے
ہے غریبی میں خبر کس کو وطن والوں کی

لے فلک آپ کو اتنا جو بھرایا تو نے
خوشحال اُن کا وہ جو گلستاں میں مر گئے

انداز و ناز میں تجھے اُستاد کر گئے
راہ میں کُشتے پڑے ہیں کئی ارمان بھری

ہے سیر کواکب میں تجھے دخل تو کہدے
یا شانے تک اُن گیسوؤں کی تھی رسائی

ہوں میں وہ گنہگار کہ عبرت نے ابھی سے
جاتا نہیں اس ڈر سے میں شمشیر تلے بھی

قدم آگے اُٹھا سکتے نہیں ہم اسکی کوچہ سے
چل چل کے جو رہجاتا ہے ہر بار گلے پر

کُشتۂ تیغ ناز کیا جانے

عالم کو رہگذر میں عالم دکھادیا ہے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ہے

جو اُس سے دیکھی تو ہمنے ستمگری دیکھی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

یہ سمجھ لیجے کہ ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے
کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمن والوں کی

کوئی معشوق سے بھی عاشق سے ملایا تو نے
حسرت نصیب ہم تھے کہ زنداں میں مر گئے

اہل زمانہ ہم پہ یہ بیداد کر گئے
بچکے چلنا نہ ترا خون سے دلمان بھرے

مجھپر یہ دن اے رشک قمر جاتی ہیں کیسے
یا دوڑے ہوئے تا بہ کمر جاتے ہیں کیسے

ہاتھوں میں مرے نامۂ اعمال دیا ہے
احسان کسی کا مری گردن پہ نہ آئے

کہ پاؤں پر ہماری سر جھکائے ناتوانی ہر
یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اُٹھینگے

خنجرِ آبدار کیسا ہے؟

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے
الفت تری اس قدر بہت ہے

ہائے کعبہ سے پھرا ابتک نہ ہرگز مصحفی
اُسکو واں کیا جانے کس بت سے محبت ہو گئی

کل اُٹھ گیا وہ ہاتھ چھڑا میرے ہاتھ سے
آیا ہوا شکار گیا میرے ہاتھ سے

ہمصفیرانِ قفس نے باغ کے لوٹی مزے
ہم قفس میں رہ گئے فصلِ بہار افسوس ہے

وعدۂ وصل سہی رکھتا ہوں نہیں اپنا دل شاد
کہ اسی وعدہ میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے

وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رُعب تو دیکھو
میں خوش کہ خیالِ نگہ دور رکیے ہے

تو بچو اس نہو میری بیقراری سے
میں بیقرار ہوں تو بیقرار رہنے دے

کیا خوب بُری پڑی ہے یہ طغیان اشک کی
دیکھا جب اچھی چیز کو اُسپر مچل گئے

محک ہے شعر کی اے مصحفی بزمِ سخنگویاں
یہاں کھوٹا کھرا سب کا سخنور دیکھ لیتا ہے

تری زلفوں کی لیتا ہے بلائیں
کٹے ہاتھوں سے شانہ بھی غضب ہے

ابتک حرم وصل سے محرم نہوے ہم
کعبہ میں حجاب در و دیوار غضب ہے

صبح سے شام ہوئی شام سے پھر رات ہوئی
یہی وعدے ہیں تو کب ان سے ملاقات ہوئی

آہ نکلی تو دل سے ہے لیکن
آہ کیا جی جلا کے نکلی ہے

سبز پوشی کا تری دیکھ کے جلوہ شبِ عید
شمع موی سے جلی سرو چمن کی بتی

بُت بنایا تھا خدا نے اسکو پر اسپر بھی ہائے
کبریائی پر جو وہ آیا خدائی اُسنے کی

نالے مرے ہر چند اثر کچھ نہیں رکھتے
لیکن جو سنو تم تو ضرر کچھ نہیں رکھتے

دل نہ دیجے اسکو اپنا جس سے یاری کیجیے
مصحفی دل پہ شکست آئی مرے بر لب جو
ہوا وہ بدگماں سنتے ہی اسکے اُف ری دانائی
تم واں گئے کسی کی ملاقات کے لیے
ہر روز کا ملنا ہے جو دشوار تو پیارے
کمر تری ہوئی یا نتک تو شہرۂ آفاق
اک زخم سے کچھ ہوگی نہ بسمل کی تسلی
غیر سے گرم ملو ہم سے یہ بیداد رہے
حسرت پر اُس مسافر بیکس کی روئیے
شکل امّید تو کب ہم کو نظر آتی ہے
یہ شب ہجر میں اُٹھ اُٹھ کے اقلق کے مارے
ہم تیرہ بخت پاس گئے جس نہال کے
کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
دیکھا جو اوسے کھو گئے اوسان ہمارے
چھپنے کو کہا میں نے تو جھنجھلا کے وہ بولے
دل تجھسے نہ بیزار ہوا، تیری طرف سے
جو ہے سو تمہارا ہی طرفدار ہے مِنا
... مصحفی ... گرفت

آپ اتنی تو بھلا خاطر ہماری کیجیے
دو بوسے کبھی باہم جو لڑے پانی کے
کبھی انگڑائی لینے میں جو ہم اللہ بول اُٹھے
ہم یاں تڑپ کے رہ گئے اک بات کے لیے
اتنا تو کرو قصد کہ اک رات کی ٹھہرے
کہ رکے کر بال ترے دیکھنے کمر کو چلے
اتنی کوئی کر دیجیو قاتل کی تسلی
اور تو کیا کہیں ہم تمسے بھلا یاد رہے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے
صورت یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے
دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے
پتے نکالے اُس نے زبانِ غزال کے
فصلِ بہار باغ میں دھومیں مچا گئی
نکلے نہ شب وصل بھی ارمان ہمارے
آئے ہیں کہاں سے یہ نگہبان ہمارے
ہر چند کہ یاروں نے بھری کان ہمارے
ہندو ہیں ہمارے نہ مسلمان ہمارے
جتنے ہیں سنکے جلتے ہیں دیوان جالکے

خیال حسن پرستی کو طاق پر رکھدے
تو جیتے جی ہی سن اس اشتیاق پر رکھدے

الٰہی مجھکو نہ موت آئے ہجر میں اُسکے
کہ ڈر رہے یہ کوئی تہمت فراق پر رکھدے

کیا چھوڑکے ہمدم اُسے ہم بیٹھ رہینگے
رستے ہی میں جا کر کوئی دم بیٹھ رہینگے

امید کرم پر تری آتے ہیں یہانتک
جس روز نہ دیکھینگے کرم بیٹھ رہینگے

دیکھو ہیں اسد رجبہ نہ آزردہ کرو تم
پچھتاؤگے گر کھاکے قسم بیٹھ رہینگے

ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ احباب و اعزہ
جا کر طرف ملک عدم بیٹھ رہینگے

اب یوں ہی جو ٹھہری تو کسی نگری میں ہم بھی
لے اُن کی جدائی کا الم بیٹھ رہینگے

تم آکے بیٹھو دم نزع جسکی بالیں پر
وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

مصحفی سود محبت کا نہیں عاشق کو
میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

کب درد جگر مجھکو بیتاب نہیں کرتا
کب ہوک کلیجے سے اکبار نہیں اٹھتی

بازار میں عرب کے جو گذرا وہ خود فروش
لیلیٰ دکان ناز اپنی اٹھا گئی

ترا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہ دل مجھسے لڑتا ہے تیری طرف سے
کہاں کا طرفدار پیدا ہوا ہے

زلف مشکیں ہو جہاں سنبل کی بو کیا چیز ہے
گل سے کہتا ہے ترا عارض کہ تو کیا چیز ہے

غم دل کا بیان چھوڑ گئے
ہم یہ اپنا نشان چھوڑ گئے

راہ میں مجھکو میرے ہمراہی
جان کر ناتوان چھوڑ گئے

صفحۂ روزگار پر لکھکر
عشق کی داستان چھوڑ گئے

کشتی نہیں رات بیکسی کی
کیا جانے کوئی کسی کے جی کی

شاہد رہیو تو اے شب ہجر
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

رونے پہ جو میرے ہنستے ہو تم
یہ بھی کوئی بات ہے ہنسی کی

چاہے ہے شفق کو ڈھونڈ لاوے
سرخی ترے رنگ آتشی کی

کیا ریختہ کم ہے مصحفی کا
بو آتی ہے اسمیں فارسی کی

ضمیمہ

شوخی تو دیکھو تیر کو سینہ سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

اسکے مزار پر تو آنا روا ہی اک شب
حسرت کو اپنے دل کی جو ساتھ لیکے آیا تو

اے مصحفی مدت غم عشق بتاں میں
مشغول ہیں ایسے کہ نہیں ہمکو غم اپنا

روم دیتا ہے اسکے رخ کو باج
شام سے زلف نے لیا ہی خراج

عاشقی کیوں نہ مبتذل ہو جائے
کار بیہودہ جب کرے رواج

نالہ جاتا ہے تا بہ عرش بریں
ہے شب ہجر کی یہی معراج

ہے ترے پاس اس مرض کی دوا
جسکا عیسیٰ بھی کر سکے نہ علاج

کام کیا مجھکو شور بلبل سے
میں ہوں اک طوطی نفیس مزاج

مصحفی فارسی کو طاق پہ رکھ
اب ہے اشعار ہندوی کا رواج

دستار و شملہ شیخ کا ہے خوف کی جگہ
نکلا ہے یہ ستارہ دمدار کی طرح

آسودگان خاک کے عالم کی سیر کر
کیا چپ پڑی ہے مجلس ماتم کی طرح

اے مصحفی بہار کے دن ہیں پئے نصیب
چل تو بھی باغ میں گل و شبنم کی سیر کر

آخر کو مصحفی نے دی جان تیری خاطر
جی سے گذر گیا وہ نادان تیری خاطر

گر تو نہ ہو تو ہمکو کیا کام زندگی سے
ہے سب یہ زندگی کا سامان تیری خاطر

نازک مزاج تھے ہم پر کیا کریں کہ اب تو
سنتے ہیں ہر کسی کی ناچار تیری خاطر

لاکھوں مثال تیری نظروں میں جلوہ گر ہیں
تو کسقدر عیاں ہے ان ہمثالیوں پر

دیکھا ہے تجھے جلوہ کناں جیسے چمن میں
ہر رنگ اڑاتی ہے نسیم سحری رنگ

خط یہ ہے سبزہ زار کا عالم
رخ پہ ہے نو بہار کا عالم

آتا ہے یہی جی میں فریاد کروں روؤں
رونے ہی سے کچھ اپنا دل شاد کروں روؤں

کس واسطے فرقت میں جیتا مجھے رکھا ہے
یعنی میں تری صورت جب یاد کروں روؤں

ہم تو اس کوچے میں گھبرا کے چلے آتے ہیں
دو قدم جاتے ہیں پھر جا کے چلے آتے ہیں

وہ جو ملتا نہیں ہم اسکی گلی میں دل کو
در و دیوار سے بہلا کے چلے آتے ہیں

وہی دشت اور وہی گریباں چاک
جبتلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں

ہائے وہ دل کہ جسے میں نے بغل میں پالا
اب اسے یوں ہدف ناوک مژگاں دیکھوں

فلک گر ہنساتا ہے مجھ پر کسی کو
میں ہنسکر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

یارب شہر اپنا یوں چھڑایا تو نے
ویرانے میں مجھکو لا بٹھایا تو نے

میں اور کہاں یہ لکھنؤ کی خلقت
اے وائے یہ کیا کیا خدایا تو نے

مخمس بر غزل آصفیؔ

ہرگز غمِ معاش سے رکھتا نہیں میں درد ۔ فکرِ معاد نے نہ کیا رنگِ چہرہ زرد
جورِ بتاں سے بھی نہیں بھرتا میں آہِ سرد ۔ دارم زلالہ زارِ جہاں داغہا کہ کرد
یعقوب را زیوسفِ گل پیرہن جدا

ہے بسکہ میری جان مجھے تجھ سے اتحاد ۔ تیرے سوا کسیکی نہیں ہے مرے دل میں یاد
جبتک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہی مراد ۔ دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم ز دیدہ دیدہ ز سر سر ز تن جدا

کی زندگی میں تجھ سے وفا میں نے گلبدن ۔ ایسی کہ گل سے کر نہ سکے بلبلِ چمن
مرنے کے بعد بھی جو مرا چاک ہوگا تن ۔ پیوند نگسلد ز سگت استخوانِ من
روزیکہ بند بند شود از کفن جدا

ہر دم ترا ست بر دلِ یاراں ترحمے ۔ گاہے بخویش و گہ بعزیزاں ترحمے
گاہے بہ مصحفیٔ غمِ زلخواں ترحمے ۔ داری بحالِ زار غریباں ترحمے
جز آصفیؔ کہ بہر تو شد از وطن جدا

"تمام شد صحیفۂ مصحفی"

مرتبہ سید حبیب احمد اُفق موسوی امروہوی، ایڈیٹر رسالہ "چمنستان" کانپور
سنہ ۱۹۲۶ء

مثنوی بحر المحبت مصحفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لب اعجاز رقم قلم ذرا وا ہو
تاکہیں مجھ سے نالہ پیدا ہو

کسی خستہ جگر کے حال کو لکھ
کسی سرو رواں کی چال کو لکھ

کہیں پیچاک آہ کر تحریر
دے بنا زلف کی کہیں زنجیر

تیری طرح جوں سہی دور کھنچا
کئی اہل سخن نے اسکو لکھا

گرچہ ہے کلک میر نادر کار
تو بھی ندرت کو اپنی کر اظہار

سطح کاغذ پہ کھینچ وہ تصویر
جس سے حیراں رہیں مصور کبیر

ساتھ کاغذ کے عشقبازی کر
یعنی کچھ داستاں طرازی کر

ناز بھی کسی کی دکھلا دے
دلبری کسی کی لکھوا دے

قصۂ عشق لیلی و مجنوں
گرچہ کچھ مستعد نہ تھا مضموں

مبتذل عشق کا نہو مضموں
عشق موزوں کچھ نو کر موزوں

جن مقاموں میں کہ گم ہے بھرا
لے ذرا اور بھی تو حسن ملا

رمز شق القمر جتا دے تو
معجزہ اپنا کچھ دکھا دے تو

آغاز داستان

اک جگہ اک جوان خوش ظاہر
خوب تھا فن عشق سے ماہر

اسکی نظروں چڑھی نہیں لاکھ نگاہ
دیکھے نہیں جو ہزار چشم سیاہ

گر کہیں روئے خوش نظر آتا
تا بہ نوک مژہ جگر آتا

تپش دل کو راہ تھی اس سے
چشم حیرت نگاہ تھی اس سے

گاہ کرتا نظارہ در و بام
گاہ تھا کوچہ گردی اسکا کام

کبھی کھولا ایک دل خوش کار
کر کے سیر چمن بفصل بہار

کہ کسی کو جہاں جو حب نکلا
اس کے دل کا بھی مدعا نکلا

دل پہ صدمے بہت اٹھائے تھے
داغ پر داغ اسنے کھائے تھے

نہ تقاضائے عشق سنجیدہ
لیکن اسیر بھی تھا وہ نادیدہ

ہو کے ممنون تنگیٔ شوق
تھا نظر باز دلفریبی شوق

گاہ گلزار کی طرف جاتا
غنچہ و گل سے جی کو بہلاتا

ازدحام زناں جہاں ہوتا
آب ہو کر وہاں رواں ہوتا

گھر کو آتا تھا عشق بازانہ
گل بدستار نوجوانانہ

دل تھا اس کا جو عشق آمادہ
ہو گیا اک جگہ پہ دلدادہ

یعنی اک نازنین گل رخسار
بلکہ یہ اُس کے سما گئی جی میں
جوشِ خوں مژہ سے ہو کے بہا
اشک آمائل نظارہ ہوئے
لب کو دنداں کے ساتھ دبا ہوا
جبکہ مانند تیر خوردہ شکار
پہلے شعلہ سا کچھ بلند ہوا
جوں ہی نظروں سے چھپ گیا وہ ماہ
غش کی دوڑی جگر سے تا بہ لب
پاس ناموس کا اٹھا کھٹکا
گئی سو بار سوئے غرفہ نگاہ
جان ہونٹھوں پر آئی آہ کیساتھ
صبر بھاگا بدیدۂ گریاں
ملکے چہرہ پر اس گلی کی خاک
جان کر لوگ اس کو سودائی
تھے جو ہم بزم بزم ہشیاری
الغرض یوں ہی گئی جب کبھی راہ

ہوئی غرفہ میں آ کے اُس سے دوچار
وہ دل کچھ اُسکے بھی لگی جی پر
ضبط پر ضبط اُس کا کچھ نہ رہا
جگر و دل ہزار پارہ ہوئے
لوگ سمجھے کہ اُس کو خبط ہوا
واں سے جنبش ہوئی اُدھر دشوار
پھر وہیں غرفہ میں وہ بند ہوا
نظر آیا جواں کو روز سیاہ
اشک آ ہی گئے سر مژگاں
سر کو اُس آستاں پہ دے ٹپکا
پر نہ آئی نظر وہ غیرت ماہ
خون آنے لگا نگاہ کیساتھ
ناشکیبی سے بندھ گیا پیماں
صبح آسا کیا گریباں چاک
پر تبسم ہوئے تماشائی
اور جتاتے تھے مرگ تک یاری
ہوئی اُس سے گلی میں اسکی راہ

اُسکی نگاہ پہ اُسکی اسپہ پڑی
دل نے جب دل سے راہ پیدا کی
آنکھیں بے اختیار بھر آئیں
طائر رنگ کر گیا پرواز
دل کے ٹکڑے جگر کے پرکالے
دیکھو اے رفتۂ دل صید انداز
درِ غرفہ میں تھی جو تصویر
جان مضطر ہو تن سے جانے لگی
بسکہ حال اسکا بڑی تباہ ہوا
شیشۂ دل کو چور چور کیا
تپش دل نے باتیں ہی کھو دی
سوزش دل دوچند ہونے لگی
آہ حسرت کا گھر بنا دل زار
تب تو بلوائے خاص و عام ہوا
جس کا ناگہ گزر اُدھر سے ہوا
اسکا حال تباہ دیکھ کے چلے
اُسکو بھی اک خیال رہنے لگا

یکدگر جب بہم نگاہ لڑی
لب خواہش نے آہ پیدا کی
پلکیں جوں ندیاں نظر آئیں
ہو گیا صعوہ صید چنگل باز
آنکھوں نے اُسکے آگے لا ڈالے
اٹھی غرفہ سے وہ سراپا ناز
صاف غائب ہوئی وہ بدر منیر
بیخودی میں غشی سی آنے لگی
متصل صرف آہ آہ ہوا
پیرہن چاک کرکے دور کیا
بیقراری نے گھات ہی کھو دی
سر سے آتش بلند ہونے لگی
گرم پہلو کیا بہ بستر خار
سر پر اسکے اک اژدحام ہوا
اُس کو حیران دیکھکر وہ ہما
آئے ٹھہرے گھڑی ٹھہر کے چلے
جی ہی جی میں ملال رہنے لگا

صاحب خانہ تھا زبسکہ غیور
دیکھ کر اُس گلی میں یہ شر و شور

خشم کرتا کبھی کہ مار ہی ڈال
جیسے ہو اس بلا کو سر پامال

قتل عاشق روا نہیں ہرگز
پہ کسی نے کیا نہیں ہرگز

آخرکار رشتے جو محرم کار
ایک دن انکو جمع کرکے اب

کیونکہ سر سے ٹلے یہ رسوائی
تب انھوں نے یہ بات ٹھہرائی

اُسپہ گو سیکڑوں ستم ہو جائیں
پر نہ بدنام اسمیں ہم ہو جائیں

یک بیک اُس جوان پر ڈھائے
لڑکے کیا آئے اک بلا لائے

کوئی اُس سے تہور پیش آیا
طعنہ زن کوئی مثلِ نیش آیا

ہاتھ کھینچا کسی نے اُسکا بزور
کوئی غصے سے آیا بر سرِ شور

کچھ کسی نے کہا خشونت سے
کوئی بولا جو راہِ شفقت سے

تھا زخود رفتہ اُنکی یاد میں وہ
ہو گیا تھا گم اتحاد میں وہ

پیش چشم اُسکے اُس پری کا خیال
اور غمزے کی کافری کا خیال

کبھی پانو پہ سر کو رکھ دینا
کبھی چٹ چٹ بلائیں لے لینا

کبھی کہنا کہ غرفہ میں آ تو
اپنا دیدار پھر بھی دکھلا تو

گھر میں جا بیٹھی ہے کیوں پردہ نشیں
پر نہ ایسے کہ پھر نہ نکلیں کہیں

ہاتھ غرفہ سے کر نکالتے ہیں
اس سے افتادہ کو سنبھالتے ہیں

کبھی روزن پہ رکھ کے چشم سیاہ
دور تک پھینکتے ہیں سہم نگاہ

مشورہ ہر کسی سے کرنے لگا
سخت غیرت سے مار مرنے لگا

لطف کرتا کبھی تساہل کر
دیکھ ہوتا ہے کیا تامل کر

وہ کریگا تو ہوگا تو بدنام
انکے مذہب میں جو برا ہے کام

مصلحت جو ہو اُسکو کیا کیجے
کچھ مجھے اسکا مشورہ دیجے

یعنی اوباش کوچہ و بازار
کچھ نہ پوچھا اسکو آکے دیں آزار

جب یہ ٹھہری تو کتنے کا شریر
لیکے ساتھ اپنے ایک جمع کثیر

سنگساری کسی نے اُسپر کی
خاکباری کسی نے اُسپر کی

کوئی تلوار سے ڈرانے لگا
اُسپہ برچھی کوئی اٹھانے لگا

کوئی بولا کہ یاں سے اٹھ جا بے
سانگ لایا ہے تو یہاں کیا بے

اسکو دونوں کی کچھ نہ تھی پروا
کہ وہ تنہا آپ ہی میں تھا

گرچہ تھا اُسکے سر پہ حشر بپا
سر اٹھا کر مگر نہ دیکھتا تھا

لب خاموش سے گفتگو اس ساتھ
اس خرابے میں آرزو اس ساتھ

کبھی کہنا کہ میں ترے قرباں
آرزو ہے کہ جلنے میری جاں

جان آنکھوں میں آئی ہے میری
تو بھی بے اعتنائی ہے تیری

ہائیں الفت سے راہ رکھتے ہیں
بام و در پر نگاہ رکھتے ہیں

کبھی کرتے ہیں بنکے شکل پری
سبز صحن بام جلوہ گری

دیکھتے ہیں کسی غریب کا حال
اور دکھاتے ہیں اسکو اپنا جمال

کوئی نا آشنا نہ ہمدم ہے
ہے نہ جو ہمدم تو بس ترا غم ہے

کوئی آکر مجھے ستاتا ہے
کوئی تیغ و تبر لگاتا ہے

کوئی مجھسے مکاں چھڑاتا ہے
یار کا آستاں چھڑاتا ہے

ایک جان اور اضطراب ہے یہ
مجھ پہ دن رات اب عذاب ہے یہ

ہجر میں سبکی جی سے تنگ ہوں میں
اپنی ہستی کا اسقدر تنگ ہوں میں

کہ مرا کام بس تمام کرے
میرا قصہ ہی انصرام کرے

چاہ کی ہوگئی ہے پردہ دری
رہ نہ پردہ میں تو بھی تنگ پری

آہ کبتک جیا کروں غمگیں
صبر کیونکر کروں کہ صبر نہیں

کھنچ گئی طول اسکی رسوائی
پر نہ غرفے میں وہ پری آئی

یعنی افشا ہوا یہ سینہ فگار
ہے اسی نازنیں کا عاشق زار

منھ نہیں موڑتا جفاؤں سے
ربط ہے اسکو دل ہی کی چاہوں سے

جب نہ بن آئی اور کچھ تدبیر
یہی سوچا کہ اب بلا تاخیر

طور پہ اپنے دایہ زیست کرے
پھر یہ دلدادہ یاں جیے کہ مرے

اُسنے اور ان سے تھی شناسائی
دوستی یکدلی و یکجائی

شاہ صاحب ہمارے درویش
اور تب آئی وہ گلیم بدوش

کہدیا ان کو یاں بہ شکل بیمار
اندنوں رات دن رہے تھی نزار

دن کو بستر پہ زار رہتی تھی
شب کو اختر شمار رہتی تھی

ایک تو ہوں میں زیست سے بیزار
اُسپہ کھینچوں ہوں سیکڑوں آزار

کوئی آمادۂ ملامت ہے
کوئی نشترزنِ شناعت ہے

کوئی کہتا ہے یہ ہے سودائی
یاں سے بہتر ہے اسکی بیجائی

تو ہی بتلا کہ میں کدھر جاؤں
موت آتی نہیں کہ مر جاؤں

بام پر آ ذرا نظارہ کر
سوئے تیغ نگہ اشارہ کر

کب تلک ان اذیتوں کو سہوں
کب تلک ان مصیبتوں میں رہوں

کہ نہایت تبہ ہے حال مرا
مجھ سے چھوٹا نہیں خیال ترا

رات دن اسکا یہ جو ڈھنگ رہا
کچھ نہ پھر پاس نام و ننگ رہا

قصہ مشہور ہوگیا اُس کا
پردہ کچھ حسن و عشق میں نہ رہا

ہے سدا سوئے غرفہ اسکی نگاہ
برق سی کوندتی ہے اُسکی آہ

وارث اُس نازنیں کے دیکھ یہ حال
لائے سو سو طرح کے دلمیں خیال

یاں سے لیجا کے اُس صنم کے تئیں
چندے پوشیدہ رکھیں اور کہیں

پار دریا کے اک ٹھکانا تھا
اُن کا کوئی وہاں یگانہ تھا

اعتمادِ یگانگت بھی تھا
اتحادِ مواصلت بھی تھا

اک محافہ میں کر سوار اُسے
ساتھ دایہ کے بھیجا یار اُسے

خود بخود اسکے دل پہ غم تھا کچھ
بے سبب متصل الم تھا کچھ

خواب اور خور میں آ گیا تھا قصور
اسکو تبدیلی مکاں تھی ضرور

اسلیے ہمنے اسکو واں بھیجا
کہ بیاباں کی راس آئے ہوا

مثل گل وا ہوا اسکا غنچۂ دل
ٹلے چھاتی سے اسکی غم کی سل

لطف اٹھائے ہوائے صحرا کا
دیکھے دامن دشت حباب دریا کا

کہ محافہ میں اس پری کو سوار
لے چلی جب وہ دایۂ مکار

جوں ہی باہر وہ رہگذر سے ہوا
گزر اسکا جواں کے سر سے ہوا

بوئے اُنس اسکو اس سے آ ہی گئی
اسکی آنکھ اسکی گھات پا ہی گئی

دلمیں اسکے تعلق نے جوش کیا
سر پہ بے صبری نے خروش کیا

واں سے پائے ثبات اکھڑنے لگا
متصل سر پہ ہاتھ دھرنے لگا

عشق کہتا تھا تو نہ ملا پایا ہے
جذب کہتا تھا مل نکل پایا ہے

سچ ہے وہ جو غلام الفت ہے
کشف اسکا مقام الفت ہے

دل آگاہ نے دی یہ اسکو خبر
کہ محافہ میں ہے وہ رشک قمر

اب تو اس گلی میں کام ہے کیا
تو بھی ہمراہ ہو برنگ صبا

جسطرف جائے وہ ادھر جا تو
دیکھ ناداں فریب مت کھا تو

یہ سمجھ کر وہ اسکے ساتھ ہوا
مورد چشم و التفات ہوا

دلمیں وحشت اگر کیا ہو کوئی
جی پر آفت ہے چشم خوں رو ہی

ساتھ اسکے یہ دردمند اسیر
کشش دل کی یا ہے زنجیر

دایہ وحشت سے پیش و پس نگراں
پیچھے دایہ کے گام زن تھا جواں

سر بزانو محافہ میں وہ پری
جل قفس میں ہو کوئی کبک دری

دلمیں گھر چھوڑنے کا اسکو ملال
اور رسوائیوں کا اپنی خیال

کہ یہ کیا افترا بندھا مجھپر
زہر کھا کون مر گیا مجھپر

میری آنکھوں نے کسکو خون کیا
میری پلکوں نے کسکو ریش کیا

کس پہ غماز عشق میری نظر
چھوڑا کس نے سبب میرے گھر

کس سے میں آہ ہمکلام ہوئی
کس سے نظارہ باز بام ہوئی

کس سے میں نے کیا پیام و سلام
کسکی الفت میں ہوئی بدنام

کس سے میں نے لڑائی غمزہ سے آنکھ
کسکو روزن سے کب دکھائی آنکھ

چاک پردہ سے میں نے جھانکا کب
میری ویرانی کا ہے کیا سبب

یہ عجب خانماں خرابی ہے
کہ نکلنا یہیں شتابی ہے

اسی صورت جوان غمدیدہ
بخیال محال پیچیدہ

چشم دیدار کو برائے خدا
دے محافہ کا پردہ یا اٹھا

دیکھے تا روئے ماہ پردہ نشیں
جسکی خاطر نہ لیتیں یہ سہیر

کھولدے گر گونہ اسکا منہ سیاہ
کاش جوں پاک جھلک کا نظارہ

تھا محافہ وہ دور روشنی کا سا
اسمیں دشوار تھا گزار صبا

نہ رہی اسمیں جب طاقت صبر
جیب پھاڑا امر گ صحت جبر

کرکے نالہ بطرز سوز و گداز
یوں قریب محافہ دی آواز

لائے پری چہرہ اپنی روپوشی
جی سے گزرا میں ہائے خاموشی

نہ تو غماز ہی سناتی ہے
نہ تری بو ہی مجھ تک آتی ہے

ہے گھٹا ٹوپ کیا محاذ آہ
ذرا پردہ اٹھا دے غیرت ماہ

کر بھلا اک جھلک نہیں دکھلا
تیری ٹھوکر کی کھٹک تو سنوا

خوبرو کرتے ہیں تغافل سب
پر نہ اتنا کہ ہو وہ محض غضب

داغ ہے انتظار آنکھوں میں
خون ہو جائے یار آنکھوں میں

تجھکو اپنی ستمگری کی قسم
تجھکو غمزے کی کافری کی قسم

قسم اپنی تجھے تغافل کی
قسم اپنی تجھے تجاہل کی

حرف [illegible] درد مند سے ہو
گرم آتش ذرا اسپند سے ہو

سنکے دایہ یہ اسکی طرز کلام
ہو مخاطب با التفات تمام

یاس اس کو بلا کے آہستہ
یوں لگی کہنے کہ اے جگر خستہ

یاس کو دے جواب گھر جائے
درد ہجراں سے کہہ کہ مر جائے

آہ و نالہ سے کہہ کہ رخصت ہوں
گرم رفتار راہ فرصت ہوں

کیونکہ نزدیک ہے زمان وصال
ہجر تھا جو ہوا وہ خواب و خیال

اب کوئی دم میں ہم وثاقی ہے
دوری منزل تلک کی باقی ہے

جبکہ منزل پدید ہونے لگی
شب تری روز عید ہونے لگی

آ بس اب درد و غم کو جا دیکر
دور دور بس صنم کو جا دیکر

شب کو دل ہی رہیگا تو اس سے
اب کنارہ ہی خوب ہے اس سے

کیونکہ ہے اسمیں بیم بدنامی
تو بھلا چل ابھی سے ناکامی

اک ذرا دل کو اپنے ڈھارس دے
چل کے منزل پہ جام عشرت لے

تیر سے اسکے یہ صنم ہوئی شاد
کیونکہ ملنا ترا تھا اسکی مراد

جی سے چاہے تھی ہمسری تیری
اسکو رستہ میں یاد تھی تیری

بارے اسکے بھی دل کی مراد ملی
حق سے مانگی تھی جو مراد ملی

پیچھے پیچھے تو کیا چلا آیا
گویا وہ دل کا مدعا پایا

غرض اسکو لگا کے باتوں میں
ہوئی وہ دشمنی کی گھاتوں میں

جی میں ٹھانی کہ کچھ دغا کیجے
دور سر سے یہ مہر بلا کیجے

کیجے عشرت ہی میں کام اسکا
گو کہ وعدہ ہے تا بہ شام اسکا

غافل انکار [illegible]
تھا جو یاں تو نہیں اسکی گروند

اسکو ہرگز یا اشتیاق وصال
نہ رہا کچھ فریب زن کا خیال

الحذر مکر و حیلہ زن سے
خاص ستمکارہ اور پرفن مکر

بیچ دالان پیشگاہ میں پیر
ہات ہے اسکے آسمان پیر

زور سے ستم نہ چل سکے جن پر
خاکسار و کئی کیا چلے ان پر

موسی مذکور رہتا تھا بگوش
کہ ہوا سامنے سے بحر کا جوش

آئی رخشندگی آب نظر
عرصہ خشکی کا رہ گیا کمتر

حاملانِ محافہ یعنی کہار
ساتھ دایہ کے وہ جوان نزار
بحر کیسا کہ اژدہائے سیاہ
شکلِ ساحل وہاں درندہ نہنگ
صفِ ماہی وہ بر سرِ طغیاں
غوطہ زن تھی بجذرِ دیدِ شلنگ
دامنِ محشر اُسکا تھا پاٹ
لطمہ ساحل پہ تیغ زن ہر بار
دیکھ اُن کو عبور پر مائل
دایہ کشتی میں دید بازِ حباب
دور تر وہ جوانِ دلدادہ
پہونچی کشتی جو بیچ میں اکبار
تھا جو منظور اسکو جاں لینا
ہوئی جا کر بزیرِ آبِ رواں
ہو کے وہ کفش تاجِ فرقِ حباب
کفش پر کر دراز اپنا ہاتھ
کفش کے ساتھ ہی گیا تہِ آب

یوں چلے جلد جوں نسیمِ بہار
جسطرح قافلے کے پیچھے غبار
جسکی صورت سے خوف کھائی نگاہ
عرصہ لطموں سے ہر حباب پہ تنگ
ہر جگہ اُس پہ چار موج میاں
بطِ چرخ اسمیں صورتِ خرچنگ
کر قیاس اس سے اسکا سارا پاٹ
موجِ آب اسکی افعیِ خونخوار
کشتی اک آ لگی لبِ ساحل
اور محافہ میں وہ پری بیتاب
جیسے تصویرِ ششدر استادہ
ہوئی سرگرمِ حیلہ وہ غدار
کہا اُس سے کہاں میاں لینا
خاتمِ دست پنجۂ مرجاں
ہو گئی پل میں گوہرِ نایاب
آشنا یا نہ گو وہاں کے تھے
ہوا خواہِ گوہرِ نایاب

رکھ کے جستی طبع کو دل پر
تھا جہاں بحر پر محافہ دھرا
قطرہ اُسکا ہر ایک طوفاں خیز
شورِ محشر سے شورِ آب قریں
تیرتے اُسمیں تھے بہ بیتابی
سونس گھڑیال اسمیں دوش بدوش
شکلِ دستِ دعا ہر ایک صدف
چاہِ زنداں تھا اُسکا ہر گرداب
پیش و پس اسپ پہ سوار ہوئی
شورِ دریا سے اُسکے دلمیں بیم
دایہ مصروفِ سیرِ آبِ رواں
امتحاناً بروے سطحِ آب
ہاتھ سے اسکے کی جو کفش نے جست
قعرِ دریا میں جبکہ جا پہونچی
تھا جواں بسکہ سخت دلدادہ
کودتے ہی چلا گیا تہ کو
گوہرِ جاں نثارِ کفش کیا

لا رکھا اسکو جلد ساحل پر
قطع رہ کر کے وہیں آ پہنچا
موجِ بحرِ بلا کی لنگر ریز
صورت اسکی تمام چین بجبیں
لشکرِ طائرِ بسانِ مرغابی
سر بسر اضطراب جملہ خروش
سر چھپائے ہوئے سپر میں کشف
جسمیں گم ہو کے تھی کشتیِ خانہ خراب
سب سے آگے محافہ دار ہوئے
غنچہ جیسے صدف میں درِ یتیم
ہم شگافوں سے وہ پری نگراں
یعنی کفش اُس پری کی بر تہِ آب
لیا مچھلی نے اسکو دست بدست
سیپ کے سر پہ پشت پا پہنچی
ہو کے ناگہ بمرگ آمادہ
طے کیا گہرے پانی کی رہ کو
نہ ذرا انتظارِ کفش کیا

ٰ پتر لینے کی۔ دو رہ پھینکی سے مطلب یہ ہے کہ کفش پنجۂ مرجاں دجو تہ دریا پایا جاتا ہی اسطرح جا اٹکی جیسے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا جاتا ہے۔

کفش ساتھ اپنی کا کہ دو اٹھا
کر دے ہر چند غلط خوبی عیاں
کون عاشق ہوا کہ مر نہ گیا
غیر سے اپنے کیا سلوک کیا
کر چکی جبکہ دایہ اسکا کام
چونکہ تھا اختیار دایہ کے بس
لیگئی اُس صنم کو با شتاب
اپنے دل ہی دل میں کھایا جوش
یہ نہ سمجھی کہ عشق خانہ خراب
دیکھے صحبت میں جام مدہوشی
یہ حمائل کرے دو دست اسکے
اسکی محنت کشی کی دیوے داد
ایک دن دایہ سے کہا اکر
گھر کو لیچل کہ جس کا تھا خطرا
کوئی اب اسکا دادخواہ نہیں
اس سے اب جی میں تو نہ لا وسواس
دل مرا اب یہاں نہیں لگتا

نے غلط بلکہ پاکی محبوبی
نہ ملا آب میں کچھ اسکا نشاں
کس کا چاہت میں آ کے گھر نہ گیا
خون کسطرح کوہکن کا پیا
تو مشوش ہوئی وہ ماہ تمام
نہ بنی کچھ سوائے ضبط نفس
رہی وحشت میں اسکی چشم حباب
لب ساحل بھی ہوگیا خاموش
جمع کرتا ہے وصل کے اسباب
دیگا پھر رخصت ہم آغوشی
چومے وہ لعل مے پرست اسکے
اسکی خود کامیوں سے وہ ہو شاد
مجھکو اکثر رہے ہے درد جگر
اب تو وہ مدعی جاں نہ رہا
انکی باتیں اسی کے ساتھ رہیں
طبع نازک کا میری رکھ کچھ پاس
وہی وحشت ہے اور وہی سودا

نہ دیا کچھ لگا کشش ہی اچھی
جان لیوے پہ عشق کا ہے مدار
کر سکے کون عاشقوں کا شمار
کسکی طاقت کہ ہو نبرد نگار
خاطر دایہ گرچہ جمع ہوئی
وانسے کشتی برد آب ہوئی فی الفور
لہریں خمیازہ کھینچ کھینچ موئیں
گرچہ وہ حیلہ گر ہوئی خرم
اسی صورت سے وہ بھی منہ کو چھپا
طرح ہو زیر آب صحبت وصل
لب سے لب کامیاب ہوتا آب
چھپ کے روپوش جیسے غیرت ماہ
یہ مکاں بھی نہ سازگار رہا
ساری اسکے سبب سے تھی آفت
کون جانے ہے وہ کدھر کو گیا
کیونکہ اب دل پہ اک اذیت ہے
ہے سراسیمگی وہی دنبال

عقل حیران کار اسکی ہوئی
یہی شیوہ ہوا اسکا آخر کار
اسکے ہاتھوں سے ترے سینکڑوں ناچار
اسکے طرز فریب سے آگاہ
پائی پانی وہ رشک شمع ہوئی
کر کہیں کچھ بلا نہ آئے ادھر
مچھلیاں غم سے ہمکنار ہوئیں
کشتی والوں کو ہوا پڑا اسکا غم
اس پری کو بھی زیر آب بلا سے
یوں میسر ہوا انکو خلوت وصل
دوستی کا حساب ہوتا آب
رہی کچھ دن وہاں بحال تباہ
دل مرا یاں بھی بیقرار رہا
وہ نہیں اب کیا ہو پھر تہمت
مر گیا یا کسی نگر کو گیا
درد ہے رنج ہے مصیبت ہے
ہے مری زیست سے میرے جی کا وبال

پاؤں کہتے ہیں راہ صحرا لی
ہاتھ کہتے ہیں جیب کو آ لی

سر پہ میرے پہاڑ غم کا ہے
پہلو دل میں کچھ الم سا ہے

کچھ تو تدبیر کر تو میری شتاب
بیٹھی جاتی ہوں ورنہ مثل حباب

سنکے دایہ نے یوں کہا طناز
ناز پر تیرے صدقے اہل نیاز

سچ ہے اب تو مٹی وہ بدنامی
اور سر آیا زمان ناکامی

پر چھپنے جو تشنگی ہے باتی ہو
تیری خاطر محافہ لاتی ہوں

یاں تو مضمون دایہ تھا کچھ اور
عشق کا ولے کنایہ تھا کچھ اور

کب کوئی جانتا ہے یا اسکی
کون پہچانتا ہے گھات اسکی

اسکی گرمی سے پاک سنگ گداز
ہوئے صرف نیاز صاحب ناز

ہے فریبندگی ہی اسکی روش
نہیں زلف پری میں ایسی کشش

نہیں عشاق کش ہی یہ جلاد
اس سے معشوق بھی گئے ناشاد

مرگ لیلی کو گاہ سبقت دے
قیس کو چند روز مہلت دے

ان کو باہم جدا نجاوے کوئی
مطلقاً بے وفا نجاوے کوئی

مردہ انکا ہے زندۂ جاوید
ناامیدی ہے یاں تمام امید

القرض جبکہ دایۂ غدار
واں سے چلنے پہ ہوگئی تیار

لے محافہ چلے وہاں سے کہار
آئے دریا کے متصل اک بار

انتظار تو سکھشم ہے آب
غرقہ بحر ہجر در دریا ب

بے کلی ہے مدام بستر تیں
کچھ ہوا صبح و شام بستر تیں

پر نہیں ہیں کہ اڑ کے جاؤں
تیرے گھر کا آنا ہو کہ پھر آؤں

سفر دور کی ہے قاصد جان
تیرے صدقے یہ میرا کہنا مان

ہوں میں آمادہ تہیہ کار
انی کرتی ہے تو مجھسے کیوں تکرار

دلکو خوش کچھ کنارہ کر غم سے
اب ملایا تجھے اسی غم کر

ملنا تو شاد شادماں سے پری
کرتا تو ہے مونہیں جلوہ گری

عشق سے عقل کب بسر آئے
اسکی طاقت کہاں نظر آئے

اسکے مخفی چلن ہیں سب سے جدا
ان سے واقف نہیں سوا خدا

جاں دو قالب کی ایک اس سے ہے
یار بد ہو تو نیک اس سے ہو

جسکو بھی اسنے زیر دام لیا
اسنے ناکامیوں سے کام لیا

نہ بچا کوہکن سے تاثیر
ساتھ خسرو کے دی سلا شیریں

الغرض یاں کے قافلے ہیں مشیر
حسن اور عشق دونوں ہیں پابہ شیر

بیوفائی وفا کا نام ہے یاں
کج ادائی ادا کا نام ہے یاں

ہجر میں وصل جاودانی ہے
ہجر عاشق کی زندگانی ہے

صبح ہی منہ کو اپنے مل کر خاک
مہر نکلا وہ لے گریباں چاک

لب ساحل پہ جبکہ آ پہونچے
غرقہ لولا مرے وہ جا پہونچے

روز پہونچا تھا کچھ قریب پاس
کہ ہوا اسکو انتشار حواس

بیقراری جو موج میں آئی
گریۂ مژگان کے اوج میں آئی

ہوا کشتی پہ جب محافہ سوار
دایہ اسکی جو تھی امانت دار

کفش پھینکی تھی تو نے کسکے پر
مجھکو لیچل ذرا تو اسجا پر

یہ ترنگ اسکی جی میں کیا آئی
کہیں ہوتی ہیں ایسے سودائی

اسکی نادانی جی کھپاتی ہے
اب کوئی دم میں جان جاتی ہے

دایہ موجوں کا پیچ و تاب تو دیکھ
اور یہ زنجیرۂ حباب تو دیکھ

آہ جاتے تو پردہ پوش تھی ہم
شرم بیگانہ سے خموش تھے ہم

دلکشا سطح آب کی ہے فضا
سرد لگتی ہے کیا ہی جی کو ہوا

دایہ غافل تھی از ادائے کلام
ہنس کے کہنے لگی وہ سیم اندام

کفش کے ساتھ ہی ہوا وہ غرق
کفش میں اسمیں کچھ رہا تھا نہ فرق

سنتے ہی یہ سخن وہ پا برکاب
گر پڑی اسجگہ یہ چون سیماب

غوطے پانی میں متصل کھائے
حسن نے طرفہ جلوے دکھلائے

ڈوبتے ہی بہار لایا حسن
آب بر روئے کار لایا حسن

دیکھ اس مہ کی روشنی تہ آب
ہو گئیں یکبار ماہیاں بیتاب

مار و کژدم کنارہ گیر ہوئے
حلقۂ زلف میں اسیر ہوئے

الغرض زندگی بسر ہو گئی
مردہ عاشق کو پہونچی لیک ہوئی

گرچہ علم شنا کے ماہر کار
دست و پا مارتے رہے اکبار

دیکھ دریا کو رو دیا اس نے
صبر اپنا ڈبو دیا اس نے

اس سے پوچھا کہ دایہ سچ بتلا
کس جگہ پر وہ خستہ ڈوبا تھا

میں بھی دیکھوں تو داکی شورش آب
یہ مرادم رسیدہ گرداب

کفش میں ایسی کیا کرامت تھی
کفش والی تو ہیں سلامت تھی

پھر بدل کر زباں بناز و ادا
بولی وہ نازنیں ہوا سو ہوا

کیا ہی جاتا ہے تیز آب رواں
ہمنے دیکھا نہ تھا کہیں یہ سماں

اب جو پردہ ذرا اٹھایا ہے
دل نے ذوق نظارہ پایا ہے

کاش کشتی کھڑی کریں کوئی دم
تا نکالوں میں اپنے جی کا غم

دیکھ لے اسجگہ وہ ڈوبا تھا
کفش میں نے یہیں تو پھینکا تھا

یہی اسکا مقام و منزل ہے
موج اسکی نشان ساحل ہے

ساتھ اپنے نہ دایہ کی جاں لی
رہ شہر و دیار جاناں لی

موجیں آغوش ہو کے آ لپٹیں
لٹیں بالوں کی تا قفا لپٹیں

نظر آئے بدیدۂ حقّار
گوہر تر سے اسکے دو رخسار

دست رنگیں جو اسکا تھا دلکش
دی لگا اسنے اور ہی آتش

جذبۂ عشق ہو کے راہ نما
اسکو بھی زیر آب لے ہی گیا

مردہ یا مردہ ہمکنار ہوئے
وصل دریا میں ایکبار ہوئے

لیکن اسکا کہیں نشاں نہ ملا
لیا دریا نے اس گہر کو چھپا

دایہ مایوس واں سے گھر آئی — کہے یہ حرف ہائے رسوائی
ماجرا تھا جو کچھ کیا اظہار — تب تو آگاہ ہو کے خویش و تبار
پدر و مادر اور ہمسائے — لب دریا پہ سر زناں آئے
اشک ریزاں کوئی کوئی نالاں — کوئی حیران سر بہ زانو نالاں
کوئی دامن تلک گریباں چاک — کوئی حیران بازیٔ افلاک
لب ساحل پہ ازدحام ہوا — اور حکم تلاش دام ہوا
دام دار آئے دام بر سر دوش — حلقے ان داموں کے تمام آغوش
از پے صید ماہی سیمیں — پہنچے جاکر وہ تا بقعر زمیں
دام پہنچا جو زیر آب کمک — کیا کہوں اس سے اک گہر کی جھلک
وہ ہم آغوش دام میں نکلے — پکے اپنے وہ کام میں نکلے
لب سے لب آشنائے بوسہ ذوق — ہاتھ دونوں کے وہ گلو کے طوق
ساق با ساق پائے سے پیچیدہ — یکدگر عضو عضو گرویدہ
سینہ سینے کے ساتھ شیر و شکر — جسم میں خالی ذرا نہ جا کے نظر
نظر آئے وہ دونوں ماہ منیر — جیسے اک آئنہ میں دو تصویر
دیکھ اس واقعہ کو پیر و جواں — دیر تک واں کھڑے رہے حیراں
تھی جدائی بہم زبس دشوار — سب نے ناچار ہو کے آخر کار
خاک میں دفن کر دیا ان کو — ایک مرقد میں دھر دیا ان کو
یوں میسر ہوا حقیقی میل — نہ رہا کچھ بھی خوف ہجر و فصل
سوئیں اب دونوں ملکے تربت میں — نہ مخل ہوگا کوئی خلوت میں
عشق صادق کا پالیا یہ مآل — کہ ہوا ساتھ ساتھ وصل و وصال
مصحفی بس زبان درازی بس — آفریں ہے مقام ضبط نفس
مجھسے یہ مثنوی ہوئی جو تمام — رکھا بحر المحبت اسکا نام
قصہ ہے ایک اور دو نامے — جیسے اک شخص کے ہوں دو جامے
میر صاحب نے پہلے نظم کیا — میں نے بعد انکے زیب بزم کیا
ہو کے اک ریزہ ریزہ جا افروز — ہوا نایاب جامۂ گلدوز
کچھ نہیں ہے مرقع تصویر — ہے مرقع دلے لباس فقیر
جیسے میروں میں شان ہے کچھ اور — ہم فقیروں میں شان ہے کچھ اور
ہے توقع کہ صاحب انصاف — مجھکو اس گفتگو میں رکھیں معاف
کچھ مری حق میں خیر و شر نہ کہیں — نہ کہیں بد بھی نیک اگر نہ کہیں

مثنوی بحر المحبت مصحفی

(تمام شد)

مثنوی شعلۂ شوق

یہ جو ایک خوشبیان حکایت ہے — اوسکی راوی یون روایت ہے
شہرۂ حسن اوسکا ہر سو تہا — ماہ سیما ہلال ابرو تھا
دو نزدیک اوسپہ مرتے تھے — نقد دل مفت نذر کرتے تہے
حسن یوسف سے یاد دیتا تہا — دلبری کی داد دیتا تہا
تھے خریدار اوسکے جی سے ہزار — حسن تہا اوسکا گرمی بازار
لشکری بستی مین ہو سے نکلے — ادہر اودہر سے ایک دو نکلے
دیکھ کافر کی ابروے پرخم — کہا گیا دلپہ زخم تیغ الم
کہب گئی دلمین چشم کافر کیش — سینہ ٹکڑون نے کر دیا سب ریش
آگرے حسرت نے اوسکو گہیر لیا — دو گہڑی بیہشی ز جام رہا
کہ یہان جب تلک ہے یہ لشکر — رکھے صورت کو اوسکی مد نظر
ہو گیا جام عشق سے سرمست — مثل نیلوفر آفتاب پرست
قیمت ایک پیسہ اوسکی دیتا تہا — اوس سے روز اک گلوری لیتا تہا
جی پہ اوسکی جو کچھ گذرتا تہا — دل ہی دل مین بیان کرتا تہا
روز و شب کہ تہا ضبط سے کام — تہا اوسکو سبب نہفتہ ربط کلام
کہ یہان کو صبح سویرے جوان — اسپہ تہا ہو نت نظارہ کنان
کہ کسی جگہ سے ہی بطرف شمال — ایک تنبولی بچا تہا بدر مثال
خوبرو تہا زبس وہ غیرت ماہ — ہر کسو کی پڑے تہی اوسپہ نگاہ
آگے دوکان پہ پری رخسار — بیٹھتا جب کہ بر سر بازار
جو کوئی راستہ گذر کرتا — اوسپہ خواہش کی اک نظر کرتا
اتفاقاً اس شب آ کے اوتر — اوسی بستی کے باہر ایک لشکر
ناگہان اک جوان کہنہ سوار — آن نکلا جو بر سر بازار
آفت اک اوسکی جان پر آئی — بد بلا اوس جوان پر آئی
ہاتھ سے چھٹ گئی زمام کمند — خانۂ زین پہ رہگیا جا بند
آخر کار ہو کے سودائی — دلمین یہ بات اپنے ٹہرائی
الغرض لیکے صبح سے تا شام — بیٹھ کر دیکھتا تہا اوسکو مدام
شکل آئینہ اوسکا حیران تہا — ہر سحر روبروے دوکان تہا
عشق مین تہ تہی حیا اوسکی — ربط خوبی نہ تہی سوا اس کے
لب سے محرم تہی صدائے آہ — بہ گئی تہی سرشک ہو کے نگاہ
ایسی صورت سے گذر گئے جب ماہ — وارث اس طفل کو ہوئے آگاہ
غالباً اوس سے لاگ ہے اسکو — سمجھے اوسکی کچھ کچھ تگ و دو

باپ نے ان کے تھو سخت دانشمند
بہی سیر کی انہوں نے پسند

رب نے ایسا ہمیں دیا بیٹا
خوبصورت ہے یہ جوان جسکا

بعد یک چند ہانسی عیب نگاہ
لائی جمع غفیر روسے نگاہ

تھا تنبولی بچے کا وہ نوکر
رہ گیا فوج سے جدا ہوکر

پھر سبب سے بچے عشق کا پتا
رہ گیا آپ ایک تن تنہا

قیمت پان میں لب لگا بیٹھا
پیرہن چاک کرکے جا بیٹھا

نوک مژگاں سے اشک خون ٹپکا
فصد کھلوائی تو جنون ٹپکا

تب تو ہونے لگا وہ رسوا گلزار
مثل مجنوں بہ سر بازار

ناوک حسن نے نشانہ کیا
عشق نے عاشق یگانہ کیا

دل بدن رنگ زرد ہونے لگا
خود بخود دلمیں درد ہونے لگا

لگ گئی تنگ شرم کی گل عذار
ہو گیا زرد لالہ رخسار

کہ تو باب نگاہ گرم نہیں
تجھکو زنار کی سی شرم نہیں

بس بہت تو نے غم فروشی کی
اب شمارت ہے روی پوشی کی

یہ خبر شہر میں ہوئی مشہور
کہ وہ حسرت فزائے جلوہ حور

ہوئے معروف تعزیت ایک غم
ہو گیا خانہ خانہ ماتم

گالے سے مرا لال تھا تو گھر کا چراغ
تیری کچھ بندگی سے ہے جگر پر داغ

اوس گم شتی جوان بہی نادار
ساتھ رکھی کی ہو گیا یکبار

کہ کوئی اس جوان سے کچھ کہو
کرم حق ہے یہ خموش ہو

اپنی خواہش کی داد دیتا ہے
دیکھ رہے ہیں کیا بلا لیتا ہے

رات کے کوچ کا نقارہ ہوا
دل جوان کا ہزار پارہ ہوا

مال و زر لشکر سے ٹوٹے تا اسپ
سب پارہ میں لٹا اسپ

سر پہ دشمن کے جنوں نے جوش کیا
بار رفیقاں وداع ہوش کیا

ہو گیا رفتہ رفتہ سودائی
چاہ آخر کھینچی ہے رسوائی

غم چھپایا بہت و نہ چھپا
راز ناگفتہ ہو گیا رسوا

نہ رہ عزت رہی نہ وہ حرمت
رفتہ رفتہ بگڑ گئی ہیئت

مستغنی اپنے سبب ہو گئی لبا
غم سے گھٹنے لگا وہ بدر مثال

خفقان سے بیہ حجر ہوا طاری
آگے لیٹا بفرش بیماری

معشوق کی لگ گئی نظر اسکو
مرگ ذ آکے دی خبر اسکو

منہ چھپا لے کہ ہو حیا بیزار
تجھ سے اب ہے بت خدا ہو بیزار

سنتے ہی یہ خبر وہ رشک قمر
آہ بھر کر گیا جہان سے گذر

آج دنیا سے ناامید گیا
کتنی تدبیروں کی نہ بچا

آخر کار بازبان درد
روئی ماں کر کے یہ بیان درد

غرض رکھی کو وہ سکی کرتا یہ
لیجیے لگر جو خویش تبار

کر دیا جب بر رسم قوم ہنود
مردہ اوسکا سپرد آتش دود

یہ جوان اک درخت تہا تہا — بہتی بڑی میوہ تہا اوسکی کہڑا
کیونکہ ساعت مین جب ملا نہ غدار — ہوگیا جلکے خاک کا انبار
یک بیک ہو نہ سکے وہ جب اہی — ہوئے تب وحش ان آگاہی
کیونکہ اوسکا انیس ہردم تہا — وہ جو گل تہا تو یہ بہی شبنم تہا
گر پڑا جیسے قالب بیجان — نزہی خاک دشت مین تب تو ان
عشق کے سوز نے کیا یہ اثر — کہ ہوا بن جلے وہ خاکستر
عشق کی دیکہی جب مین یہ بیداد — مجہکو مطلع اک اپنا آیا یاد
ابتو اس داستان کو تہ کر — مصحفی طول عشق کو تہ کر

آگ ان جو اسے جلاتی تہی — اوسکو باطن مین تخت پائی تہی
وان سے ہر ایک نے عزم خانہ کیا — آدم ایک پیشتر روانہ کیا
باپ نے بیٹے سے کہی یہ بات — جاکر اوسکو بہی لیلے اپنے سات
پاس جا اوسکا جون ہی ہاتہ لگا — کیا کہون ہائے وہ حمیدہ صفات
رنج کا اوسکی کچہہ نشان نہ تہا — خاک مین کیا وہ نوجوان نہ ملا
کیا عجب عشق ہے وہ خانہ خراب — جس سے کہنچے جا آسمان کی طناب
عشق ہے آفت بلا تو نہین — اوسکا ار کوئی بچا تو نہین
ہی جو چنگاری ایک شعلہ نما — شعلہ شوق نام ہے اسکا

تمام شد مثنویات بحر المحبت و شعلہ شوق
من تصانیف شیخ مصحفی امروہوی
نور اللہ مرقدہ

Post Graduate Library
College of Arts & Commerce. O. U.

بتصحیح و ترتیب مولانا میر افق امروہوی صدائے مسلم پریس کانپور مین چہپی